



# تجدید عمل

سوسائٹی کا ایک جدید نظام

مرزا عسکری علی خاں مجاڑی

بمقام

ایٹنی ریسرچ سوسائٹی (لاہور)

فروری ۱۹۳۳ء

حقوق محفوظ

پارا اول

# کتابت کے بعض اہم افلاط

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۸	۸	بعض	اکثر
۱۲	۴	اقتضائیں	اقتضا
۱۵	۱۲	مل سکتا	نہیں سکتا
۵۶	۹	کہہ سکتے ہیں	لاکھوں

صفحہ ۸۴ کا نوٹ صفحہ ۵۴ پر ہونا چاہیے۔

## انگریزی کے بعض مترادف الفاظ

Consciousness	شعور
Unconsciousness	غیر شعوری
Metaphysics	ما بعد الطبیعات
Psychology	نفسیات / علم النفس
Sceptic	شک لا اور یہ
Crowd	جماعت
Transmigration of Soul	تسخیل

# ADVERTISEMENT.

## Meditations of Majazi.

( In Press )

*An Eng. rendering of some of Urdu poems  
of Majazi by*

Syed Shahansha Husain, B. A. (Alig.)

*Oxford University Press, LONDON.*

“The few poems Mr. Majazi which are here translated, reveal a poet of an original turn of mind, very different, I should imagine from the versifier of pretty fancies and pleasant trifles.

Mr. Majazi has undoubtedly thought and felt deeply, sensitively and sincerely. He has, too, the rare courage of his thoughts and feelings,—he is unafraid to express them—to judge from such lines as:

‘No Justice! No Virtue!

Verily this world is full of sin.  
Behold the present dearth of men:

Not a Guide is visible even when you  
search for him,'

as simply and nakedly as they come to him. Such a quality must appeal and endear him to the finer spirits among his readers. But, what convinces me, most of all, that his poetic inspiration is genuine, a sense of humour that peeps out again and again in the midst of his seriousness, e. g.,

‘The pain is a thousand times preferable to its medicine.’...”

—Prof. R. R. Sreshta, M. A. (Cantab).

### MEHSHER-I-KHAYAL

*Sheikh Mubarak Ali, Book Seller, Lahore.*

URDU (*Aurangabad, Deccan*):— “Yeh kitab Majazi saheb ki Urdu nazmon ka ek mukhtasar majmua hai, jinmen unhun ne apne hakimana khayalat ka izhar kiya hai ... Agarche chand hi nazmen hain magar khub hain. khayalat ke aitebar se bhi aur tarze ade ke lihaz se bhi.” Price 3 As.

# تجدید عمل

## مذہب کا ایک جدید آئینہ

ان چند اوراق کی صورت میں یہ ایک تھخہ اخلاص ہے، جسے مصنف  
اس نئے زمانہ کے آگے پیش کرتا ہے۔ اور اپنی اس خدمت پر فخر کرتا ہے  
کہ اس نے ہندوستان کو ایک ایسا مشورہ دیا ہے۔ جس کی اسے  
ضرور منظور تھی!

مجازی

(مصنف پیام جاوید وغیرہ)

۱۹۳۳ء

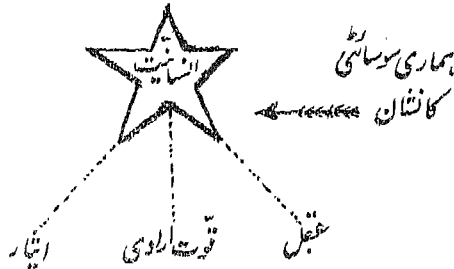
مالیکیہ الیکٹرونک پریس لاہور میں باہتمام حافظ محمد عالم پشاور

اس کتاب میں مقدس ناموں کا اظہار نہایت سادگی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ لیکن اس طرز عمل سے ان کی امانت منظور نہیں ہے۔ بلکہ ادبی خصوصیات کی پاسداری ملحوظ ہے۔

مصنف اپنے تمام روشن خیالی ناظرین سے التجا کرتا ہے کہ وہ اس کتاب پر ریویو کریں۔ خواہ ان کی یہ تنقید مصنف کی مخالفت ہی میں کیوں نہ ہو۔ مگر اسے بھی قدر کرنا چاہئے۔ آنکھوں میں جگہ دینی چاہئے گی! — ان تبصروں کو مصنف تا تک پہنچانے کی بھی کوشش کی جائے گی۔ اس لئے کہ اُسے اخبارِ پنی کا زیادہ اتفاق نہیں ہے۔

نہرست مصنفین کتاب اسکے خاتمہ پر ملا خط ہو ۛ

# انسانی بلجیٹ سوسائٹی



وہ درحاضرہ کو ارباب عقلی کی ایک ایسی جماعت کی جستجیاں ہیں، جو خود کو رائے عقیدہ سے آزاد ہو اور دوسروں میں بھی یہ ایسے پیدا کر سکے !  
 صریحاً حصہ - (۱) ذہن کو تو ہم انسانیت کی تائید سے لکھ لکھ رہے ہیں اور یہاں لانا (۲) منطقی  
 کو محقق بنانا (۳) اور ہماری سوشل زندگی میں ہمہ رنگی پیدا کرنا۔۔۔ اس سوسائٹی کو متعلقہ  
 شہر (۴) اس انجمن کے ممبر ہر فرقہ، طبقہ اور مذہب کے لوگ ہو سکتے ہیں۔ (۵) اللہ ان کا  
 شکر ختمی لاکھ لاکھ ہے۔ رسوم دنیوی کی کو رائے اطاعت کے تحقیق و تحقیق ہونا چاہیے۔

اس سوسائٹی کے ضروریات کی ترجمانی ایک سالانہ جلسہ کریگا جس میں شرکت کی تمام  
 ممبروں سے ہر ایک اشتہار درخواست لکھا جائیگا۔ ہمارے ممبروں کو چاہیے کہ ایک  
 کارڈ کے ذریعہ اپنے نام اور مفصل پتوں سے وہ ہمیں مطلع فرمائیں۔  
 یہ آپ کی سوسائٹی ہے۔ اسے ٹھکانا اور فروغ دینا دونوں باتیں آپ ہی کے  
 اختیار میں ہیں۔ اگر کسی کو نظر کو آفتاب کی پہلی کرنی کو دکھائی جائے تو



وہ یہ گمان بھی نہیں کر سکتا۔ کہ یہی ضعیف شعاع آہستہ آہستہ تمام کائنات کو طغیا  
 دے گی۔ اسی طرح ہماری سوسائٹی بھی ایک دن تمام ہندوستان کا دستور العمل بن  
 گی۔ پنجاب جس میں زندگی کے آثار اکثر صوبہ جات ہند سے زائد پائے جاتے  
 ہیں، اور جو آج دیگر ممالک میں تمام اقلیم ہند کی رہنمائی کر رہا ہے۔ ہماری سوسائٹی  
 کا بھی پاسبان بن گیا ہے!

نوٹ:- خط و کتابت میکلوڈر و ڈیلاہور پتہ سے کی جائے۔

خادم  
 مچاری (ریٹ)

## تعارف

”یہ مقالہ انگریزی زبان میں سٹراپیم۔ آئی مرزا بی۔ اے کے ذریعہ لکھنا شروع ہوا۔  
 لکھا تھا میں اس کا اردو میں ترجمہ کر کے ناظرین کو پیش کرتا ہوں۔“  
 سید لال حسین آرزو بخاری دہلی فاضل

(۱)

مرزا عسکری علی خاں کی ولادت ۶ دسمبر ۱۹۰۶ء کو لکھنؤ میں ہوئی۔ آپ نے  
 اپنا تخلص ”جھانسی“ اختیار کیا جس سے آپ کے فلسفہ زندگی کا خصوصیت تعلق ظاہر  
 ہوتا ہے۔

(۲)

آپ کے خاندانی حالات کچھ بتاتے ہیں اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ آپ نوابانِ اودھ  
 کے خاندان سے ہیں۔ آپ کے مورثا اعلیٰ مرزا محمد عباس علی خاں سب سے پہلے  
 ہندوستانی دہلی کھنڈہ میں اور انہیں حکومتِ برطانیہ نے ایک بالکل نیا اور بڑی  
 ”مرزا بہادر“ کا خطاب دیا تھا۔

۱۔ یہ بالکل جدید اور دہلی خطاب سب سے پہلے میر سے پر دہوا آغا علی خاں عورت آغا  
 صاحب۔ (جو عہدِ واجد علی شاہ میں سلطانپور کے ناظم تھے) کو حکومتِ برطانیہ کی طرف سے عطا ہوا تھا۔  
 پھر جد امجد مرزا محمد عباس علی خاں مرحوم کے ورثہ میں آیا اور آج اس مرزا خطاب کے ایک میری ایک ختم عزیز ہیں  
 جھانسی

(۱۳)

ایکسٹینس (extension) اپنے خاندان اور جہاتے پیدائش کے فخر سے مستغنی ہوتا ہے۔ آپ محض اپنی عظمت اور خدا دار و دہانت کی وجہ سے ایک نہایت اعلیٰ درجہ حاصل کر چکے ہیں۔ آپ میں ایک خاص بات یہ ہے کہ آپ نہایت آزاد خیال ہیں اور آزادی کو بہت پسند کرتے ہیں۔ آپ کی عبارت نہایت رواں بونی ہے اور آپ ہر شے کا شخصی نظر سے مطالعہ کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے آپ کا طرز تحریر نہایت سادہ اور دلنشین ہو گیا ہے۔ آپ نے اپنے دماغ کی طرح اپنی ذات کو بھی مقامی تاثرات سے بچائے رکھا ہے۔ اس لئے وہ لفاظی اور الفاظ کی شان و شوکت جو دماغ کے مہنفین کا مایہ الامتیاز ہے۔ آپ کی تحریر میں نہیں پائی جاتی جو کہ آپ اپنے ذاتی خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ اس لئے آپ کا طرز تحریر نظم و نثر دونوں میں یکساں ہوتا ہے۔ آپ کی نظم و نثر کے گہر سے مطالعہ سے اس امر کی تصدیق ہو سکتی ہے۔

(۱۴)

اگر یہ صحیح ہے کہ مشرق اور مغرب کی دنیا کُل مختلف تہذیبیں ہیں۔ تو یہ ناسا پڑ کہ دماغ کے گولوں کا طرز تفہیم بھی الگ الگ ہے اور چونکہ لٹریچر کا لوگوں کی ذہنی تفہیم پر ایک خاص اثر ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے چھانڑی کو ایک سادہ مشرقی ہونا چاہئے تھا۔ باوجود اس امر کہ وہ کبھی یورپ نہیں گئے۔ اور نہ متداول مغربی تعلیم کی تکمیل کی ہے۔ پھر بھی آپ میں مشرقیت کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ آپ ہمیشہ اپنی تحریر کی بنیاد ایسے فلسفی اور مذہبی مباحث پر رکھتے ہیں جن

میں مشرق اور مغرب اور مختلف جمہوریتیں شمار کئے جاتے ہیں۔ لیکن ہمارے  
مستشرقین میں مغربی طرز تنقید موجود ہے۔ وہ ان تمام توہمات کو درجہ برہم کر دیا  
پڑا ہے۔ جسے تمام دنیا کے مذاہب ایک اساسی اور بنیادی شے سمجھتے ہیں۔  
"دین و مذہب کی اس راہ را بنیاد کھائی ہے، عقل کے واسطے، لیکن یہ عمل اچھا ہے  
بہر حال اس کا بار غیور و اعظم نے دکھایا ہے۔" ریحی و السلام سے تسکین کا سرمایہ ہوگا؟  
در انجا کہ ان کی یہ غیر جمہوری حرارت ان کیلئے طرح طرح کے ناقابل بیان نقصان  
و آلام کا سامان کہ ہم پہنچانی سے!

(۵)

آپ کی تحریریں فلسفہ کا ایک نظام اور تادیبالی کا ایک اصول منبر رکھتی ہیں۔  
مثلاً "مختلف نظریوں کی بدد سے راز ہستی کی صدا تادیب کی جاتی ہے۔" یہ کہ فلسفہ  
تفکر کی آخری منزل حقیقت وہ ہے۔ جہاں پہنچ کر زندگی ایک جیتان نظر آتی ہے  
اسلئے اب ہمارے پاس بجز اس کے اور کیا چارہ تھا کہ معنائے حیات پر  
انفرادی حیثیت سے نظر کرتے اور اس کل کے اجزاء کے دکھا دیتے۔ "یا  
"ہیں یہ معلوم ہوا ہے کہ عالم میں جو نظر آیا وہ دراصل نظر آنے لگا  
فلسفی وہ پوزیشن میں حقیقت آگاہ  
راز ہستی، جو کچھ خلق کو سمجھ نہ سکا"

(۶)

ایک مشہور واقعہ مسٹر تیشی ایم ایس۔ بی۔ ٹی۔ ای۔ ایس۔ سائی پر نسل کو گزند  
طرہ کے کارچ لکھتے ہیں آپ کی ایک تازہ تصنیف "پیام جادید پر بار لکھبر" ۱۹۱۸ء  
کے گزیر "از کتاب ایمین تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

سب سے پہلے یہ کہ ایمین آپ کو گزند نہ پہنچے۔

ر کوئی شخص مجازی کے فلسفہ زندگی سے اتفاق کرے یا نہ کرے۔ لیکن کوئی  
 ذہین اور ایسا نادر ناظر شاعر کی رفعتِ ذہنی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں ہو سکتا  
 اس مجبورِ انتخاب کی ایک ایک سطر اور ایک ایک مصرع اس قدر کی شہادت ہے کہ  
 کہ اس کا مصنف کفکش خیال میں بنیاد رکھے۔ اور اس نے جو کچھ لکھا ہے بھینے کے عالم میں  
 لکھا ہے کیونکہ اسکے دماغ میں خیالات کا ایک طوفان برپا ہے۔ شاعر مرزا دشتی ہے  
 اور معلم ہونا دشوار ہے۔ اور شاعرِ معلم کے دیکھو اوصاف کا ایک ذات میں جمع ہونا  
 تقریباً محال ہے جبکہ حالی کا حشر ہوا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ مجازی اس نامکمل الوجود  
 ذمہ سے اس لادنا شریک ہونا نہیں چاہیے۔ اگرچہ بعض اوقات اُن کے ہاں یہ شان پائی  
 جاتی ہے۔ لیکن انہیں اور دوسرے تلقین نہیں ہے۔ بلکہ وہ جو کچھ لکھتی ہیں، عالمِ مثنوی  
 میں کہتے ہیں۔ مجازی منہ جہد کی ایک در الوجود بنتی ہیں۔ ایک لاد خیالِ اسماں جو  
 آزادانہ راستے قائم کرتے ہیں جو کچھ نظم و دبی بات نکلتی ہے جو وہ صحیح آہستہ میں  
 اکیسے جذبِ جتن یا حقیقت کی طلب نے انہیں کرشنِ ادبی، ہیوم اور خیام کا کیل  
 طور پر نشانہاں بنا دیا ہے۔ بہت ہی خرافات ہیں جو اردو شاعری کا قالب اختیار  
 کئے ہوئے ہیں۔ سیمین، نگیناں، خوشگوار لفظ، لغو اور محرب اخلاق غزلیں  
 اور دورِ حاضرہ کے نوے فیصدی اردو شعرا کا کام رہتی ہیں۔ کیونکہ نہ تو وہ حقیقت  
 میں شاعر ہوتے ہیں۔ اور نہ اُن کے شعروں میں کوئی اہمیت ہوتی ہے۔ گو کہ مجازی کی

اس قدر کہ وہ ہوں گے اور ان میں خاص طور پر قہری، صفتِ موجودی، ذہنی اور ادبی بلند پروازی  
 یہ لفظ محض کی تصنیف ہی پر روشنی نہیں ڈالتی۔ بلکہ انہیں ایک شخصیتِ خاص بھی نمایاں کرتی  
 ہیں مگر تنقیدی نظر سے دیکھو ان ناظرین خود ہی ان باتوں کا اندازہ کر لیں گے۔ اگر یہ سمجھ جائے کہ  
 کسی مصنف کی کامیابی کا بہت کچھ انحصارِ شہرت پر ہوتا ہے اور کہ تصنیفیں اس قسم کے مستقبل کا انتظار کرنا  
 بڑا زہرِ بہت ممکن ہے کہ ہماری نوجوان قلمی کو بھی اپنی کامیابی کیلئے کچھ عرصہ انتظار کرنا پڑے!

## کیفِ الہامی

آہ! میرے ذریعہ خیالات، جو بادلوں کی طرح میرے دماغ میں ہجوم لگائے رہتے ہیں، مگر شاداب زمین انہیں نہیں ملتی، کہ وہ برسیں پھیل کھلائیں اور پھل پیدا کریں۔ ریتیلی زمین میں بھلا بارش کا کیا فائدہ! وہ دماغ ہی ہیں ہجوم کئے رہتے ہیں، یہاں تک کہ ناموافق آندھیوں کے بھونکنے آتے ہیں اور انہیں اڑا لے جاتے ہیں!

میرے خیالات کے بادل اس وقت بھی میرے دماغ میں ہجوم لگائے ہوئے ہیں۔ برسا چاہتے ہیں مگر میں اُن سے کہتا ہوں وہ نہ برسیں، میں خود اُن کو درخواست کرتا ہوں، کہ وہ نہ برسیں، اور ناموافق آندھیوں کے سہارے مجھے بھی اپنے ساتھ اڑا لیجائیں! وہ مجھے بھی اپنے ساتھ اُس کوہ کی وادی میں لے جائیں۔ جمالِ نیلے اور لیبان کی روحیں گشت لگاتی ہیں۔ اس وادی میں مقدس رحوں کا گزر نہیں، وہاں حیاتِ ابدیہیم کی روحیں بھی نہیں جاسکتیں، پھر مقدس رحوں کا کہاں ٹھکانا!

وہ ایک ایسی وادی ہے، جہاں ہنچکر خیال کی بے اعتدالیوں (تخیلِ آرائی) کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور مکدر فضا (شکوہ، صاف ہو جاتی ہے، ایک طرف شفاف پانی کا ایک چشمہ (عمل) رواں ہے جس میں سے نغمہ کی یہ صدا آرہی ہے

خوشی عبت ہے، عبت . دور آسماں کیلئے  
 نہیں ہے فکر کی حاجت، غم جہاں کیلئے  
 تو چشم عقل سے فطرت میں ڈھونڈ رہا اپنا مقام  
 کہ علم کا وہ خزانہ ہے جسم و جاں کیلئے  
 تو موج و سیل میں رہ، جنگِ ستقل بن کر  
 کہ وہ سکون کی منزل ہے کارواں کیلئے  
 ترے عمل میں نہاں رازِ زندگی ہے!  
 یہ موت، موت نہیں عمرِ جاودانی ہے  
 ————— (حجازی) —————

---

سچے انسانِ فانی پر، مگر حیاتِ انسانی کو فنا نہیں۔ ہمارے عمل کے موثرات بے پروا بھی  
 دنیا میں اپنا کام کرتے رہتے ہیں!

---

## تہذیب

### عقل کے نام

ذہن کی وہ شریف ترین خصوصیت، جس کا وجود ایک ذی روح حیوان کو انسان بناتا ہے، اور جو تمام گنجینہ حقایق کی کلید ہے!

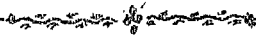
### ایثار کے نام

فطرت انسانی کا وہ پاک جوہر، جو دیوتا کو حیوان سے ممتاز بناتا ہے، اور جو تمام انقلابات عالم کی روح ہے!

### قوتِ ارادی کے نام

فطرت انسانی کی وہ مقدس روح، جس نے صحراؤں اور سمندروں کو مستحضر کیا ہے، اور جو تمام کامیابیوں کی جان ہے!

### مجازی





## مقدمہ

میرے روشن خیال ناظرین جنہیں میری قدیم تصنیف ”پیام جاوید“ کے پڑھنے کا اتفاق ہوا ہوگا۔ وہ اس جدید تصنیف (تجدید عمل) میں مجھے ایک دوسرا آدمی پائینگے! اس لئے کہ اس کتاب میں اپنے اکثر خیالات قدیم سے میں نے اختلاف کیا ہے۔

بات یہ ہے کہ چند سال کے خاموش مشاہدہ نے مجھ پر یہ راز افشاں کر دیا۔ کہ دنیا کو یسائے خشک خیالات کے عمل کی زیادہ ضرورت ہے؛ چنانچہ ایک حقیقت کے جوہر کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ وہ اپنے خیالات کو ہر لمحہ نقد و تبصرہ کی ترازویں تولتا رہے، اور ہر وقت اپنی غلطی تسلیم کر لینے پر مستعد رہے؛ لیکن اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں کہ میرے پرانے خیالات عبث تھے؛ بلکہ اصل یہ ہے کہ ”پیام جاوید“، عمل کی ریاضت کا ایک کاجیز مشورہ تھا۔ اور ”تجدید عمل“ عملی زندگی کی خاطر ایک پر غلوص تحفہ ہے؛ اور چنانچہ اس کتاب میں میں نے تمام تر ”جماعت“ کی زندگی سے بحث کی ہے، اس لئے کہ انسان تمدن و معاشرت کا ایک کپڑا ہے۔ اور اسی بنا پر اس کی زندگی کو ہمیشہ معاشرتی حیثیت سے پرکھنا چاہئے!

چنانچہ اب میرا یہ مستقل خیال ہو گیا ہے کہ جو نظریہ ”عملی“ حیثیت سے پورا نہ اُترے۔ اس کی قدر و قیمت بجز فنونِ لطیفہ کے اور کچھ نہیں۔ اور ہر شے کی قیمت کا اندازہ عملی نقطہ نظر سے لگانا چاہئے۔ حتیٰ کہ علوم و باعہد الطبیعیات

بھی کچھ اس ٹکلیہ سے متشنی انہیں ہیں !  
 بات یہ ہے کہ ذہن انسانی اگرچہ تخیل کی پروازیں انفرادی اخلاق کے معیار کو بہت اہمیت دیتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ فلسفیانہ حیثیت سے اخلاق کا کوئی اصلی معیار نہیں بن سکتا۔ اس لئے کہ جن چیزوں پر ہمارے عمل کا انحصار ہوتا ہے وہ خود مبہم ظنیات.... سے زائد حقیقت نہیں رکھتیں۔ اور اس معاملہ میں بسا اوقات بیجا بھی ہوتا ہے، کہ وہ چیزیں جو ہمارے دلوں کو بھڑائیے والی ہوتی ہیں مثلاً رحم اور ایثار وغیرہ، انہیں خواہ مخواہ حیثیت سے ایک آئیڈیل کا لقب دے دیا جائے مگر اجتماعی اور معاشرتی حیثیت سے ان کا ہر موقع پر قابل عمل ثابت ہونا ضروری نہیں ہے !

اس لئے میرے خیال میں عملی حیثیت ہر معاملہ میں پیش نظر رکھنی چاہئے۔۔۔ (جیسا کہ مذکورہ بالا ہے) اور پھر مذہب، جسکی تعریف میرے خیال میں بجز اس کے اور کیا ہو سکتی ہے، کہ وہ چند اصولی و خیالات کا ایک مجموعہ ہے، جو کلی تنظیم کی خاطر، ایک غیر شعوری لباس میں عوام الناس کو پیش کیا جاتا ہے ! اسے تو خاص طور پر نہایت سختی کے ساتھ اس معیار پر جانچنا چاہئے !

اور ہمارا یہ طرز عمل، اگرچہ دیرینہ مذاہب کی بعض باتوں کو بادی النظر میں اب بھی قابل اعتماد سمجھے گا، مگر بات یہ ہے کہ انسانی زندگی زمانہ کے ساتھ ہمیشہ بدلتی رہتی ہے، اس لئے ہمارا وہ جادوہ عمل (مذہب) جو پرانی زندگیوں کے لئے بنایا گیا تھا، آج بھلا کیوں کر قابل عمل ثابت ہو سکتا ہے ؟

اس میں شک نہیں کہ مذہب قومیت کو بدل نہیں سکتا، بلکہ خود قومیت مذہب کو اپنے قالب میں ڈھال لیتی ہے، پھر بھی اگر کسی مذہب کی روح مردہ ہے، تو قومیت ایک حد تک زخمی ضرور ہو جاتی ہے، جس کا علاج فوراً کرنا

نہیں ہوتا، اور اسی لحاظ سے میں مذاہب متداولہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر رہا ہوں! اگرچہ ہمیں کچھ خیال میں مذہب خود تعینیت کا ایک ہرانا نیکل ہے، جسکی تعمیر ایام جمالت میں ہوئی تھی، اس لئے وہ آج ہمارے کام کا نہیں رہا، دوسرے ہم اس تاریخی حیثیت سے بھی انکار نہیں کر سکتے، کہ جب کسی تمدن کے حسبِ زراعی اساسی کمزور اور مڑوہ ہو گئے ہیں، تو پھر ان ہی اساس کی تردید کی دوبارہ کوشش بالکل عبث ثابت ہوئی ہے۔ یہ، اور اس کا نتیجہ لمبا اوقات پہلے سے زیادہ خراب نکلا ہے اس لئے اب ہمارا پاس بجز اس کے اور کیا چارہ ہے، کہ ہم دیرینہ تمدن کو بھی جدید مسائل پر بدل دیں — ایسے کہ اب وہ دیرینہ مذہبی اجزاء واقعی طور پر ہمارے دور میں مضرت رسالہ بن گئے ہیں! میری سمجھ میں نہیں آتا، کہ لوگ یہ دعویٰ کیونکر کر بیٹھتے ہیں کہ مثلاً "خدا" کا عقیدہ بہت سے گناہوں کا پشت پناہ ہے! بلکہ میرا تو یہ سمجھتا ہوں، کہ اس خیال نے ہمارے ذہن کے فطری ارتقاء کو محدود کر دیا ہے، اور بجائے خود اعتمادی کے انسان بے بس اور مجبور بن گیا ہے! البتہ اگر مذہبی اصطلاح میں ذہنی ارتقاء کا نام گناہ رکھا گیا ہو، تو یہ اور بات ہے۔ ہمارے میں اپنے ناظرین کو یقین دلاتا ہوں، کہ دنیا کے متعلق وہ جتنے بھی پرانے خیالات چلے آتے ہیں، جن کے ذریعہ سے الوہیت فقر و استغنیٰ اور نزک و علانیت وغیرہ کی تلقین دی جاتی ہے، غلط ہیں! اور زندگی کے لئے مہلک اور ناقابلِ تقلید! پھر عجیب لطیف یہ ہے، کہ بدھ مت جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے دیگر مذاہب مذہبِ ہر سے بالکل الگ ہے، اور جو توہمات کی اشاعت نہیں کرتا، اس میں تویشانی اور بکشان اور بھی شدت کے ساتھ پائی جاتی ہے، جو اجتماعی حیثیت سے طبیعتاً خطرناک ہے!

چنانچہ بائبل، مذاہب کا پہلا فرض، اپنی قوم میں بجائے خالص علم کے احسان

”محل پیدا کرنا ہے، اور یہی روح ہم اپنے ملک کے مذاہب میں بالکل نہیں پاتے اس خصوصیت میں ایک ہندوستان ہی ایسا ملک ہے جس میں دس ہزار برس قبل کا تمدن آج بھی اُسی پرانی وضع میں چلا آ رہا ہے !

اگرچہ اس راز کا صحیح طور پر انکشاف بہت دشوار ہے، تاہم جو کچھ ظاہری سبب ہمیں ملتے ہیں، انہیں اجمالی حیثیت سے اس کتاب میں قلمبند کر دیا گیا ہے۔ جیسے دھرمناطوالت کا باعث ہوگا، مختصر طور پر بس اتنا کہ دنیا کافی نظر آتا ہے، کہ بیرونی اقوام کے متواتر عملوں نے دینیز ملک میں اُن کے قیام نے ہندوستان کو ایک ہی تمدن و معاشرت کے زیر سایہ استقلال کے ساتھ اُننے عرصہ تک نہیں رہنے دیا، کہ اُس کا تمدن پختہ ہو کہ نہ بے برگ و بار پیدا کرنا، اور پھر ضروریات قومی اُس نے آہستہ آہستہ بدل دیتے۔ لیکن یہاں تو غیر اقوام اپنے ساتھ جدید و معاشرتی لائبرٹیز لے رہے، ان میں ہمیشہ باہمی تضاد و ہمتا رہا ہے

بات یہ ہے، کہ جب تک کسی جماعت کا ایک لباس، ایک زبان اور ایک مذہب نہ ہو، وہ قوم کے بدلنے کی مستحق نہیں ہے، اور اس کے لئے تمام افراد قومی کا متحدہ انجیال اور متحدہ لالہ سا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ لیکن یہ بات ہندوستان کو کب نصیب ہوئی۔

چنانچہ حیاتیات شخصی کا ارتقاء و نما متر حیاتِ قومی کے ارتقاء پر منحصر ہے، اور جماعت کی زندگی کو سکون مل سکتا۔ تاؤنتیکہ اُس میں قومیت کی رُوح پیدا نہ ہو جائے اس لئے اگر کوئی صحیح مذہب آج (خصوصاً اہل ہند کیلئے) ہو سکتا ہے تو وہ قومیت ہوئی چاہیے۔

لہٰذا ہندو قوم کو یہ بات ایک عرصہ کیلئے حاصل ہو گئی تھی، اور اُسی دور کی پیداوار کو رُوحِ تمدنِ ہند کے نام سے پکارا جاتا ہے ۱۲

اور افراد قومی کی سرسبز مفاد قومی کے ساتھ وابستہ ہونی چاہئے، جو خیال کہ بادی النظر میں تنگ نظری کے مترادف ہے، مگر ہمیں اپنی زندگی میں بہت سے ایسے معاملات سے سابقہ پڑتا ہے جن کا باطن ظاہر سے بالکل مختلف ہوتا ہے اور جس کا فیصلہ تجربہ ہی پر منحصر ہے! چنانچہ یہ آئیڈیل بھی اُن ہی میں سے ایک

ہے! لیکن ظاہر ہے کہ کسی جدید خیال کی اشاعت کیلئے زبردست اشیاء اور غیر معمولی قوتِ ارادہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ جو آج ہمارے خیال میں ہندوستان میں فقط گاندھیؒ کو نصیب ہے۔

یہ کام قوم کے مصنفین اور اباب قلم کے ذریعہ سے بھی انجام پا سکتا ہے مگر ہمارے ملک میں تقریباً یہ صفحہ سادہ پڑا ہوا ہے۔ ایک سچا شاعر اور ادیب ایک خاص قسم کی روح ہوتا ہے۔ جسے اپنی روح کو قوم کے قالب میں ڈال دینے کی قدرت ہوتی ہے۔ مگر ہمارے یہاں اس قسم کی رو میں کہاں ہیں؟ جو ہمارے معیار پر پوری اتر سکیں۔ اور آج کوئی ایسا صاحبِ قلم نہیں جو قومی روح کو جگمگاتے یا صبحِ معلول میں قومیت کے ساز کو چھڑ دے! اور مروجہ توہمات (مذہب) سے دست بردار ہو کر مظاہرِ فطرت کو اپنا جادو عمل بنائے اور اس طرح بلند کی فطرت کا ثبوت دے! جس کیلئے اعلیٰ جرأت درکار ہے۔ مگر افسوس! آج ہمارے سینے اس قسم کی جرأت سے خالی ہیں!

مجازی

لاہور ۱۹۴۷ء {



# پہلی کتاب

## باب اول

عوامل الناس کی ذہنیت

اس بحث پر زیادہ غور و خوض کرنے سے ذہنیت عوام کی جو نمایاں خصوصیت میری سمجھ میں آئی ہے۔ وہ اُنکے دماغ سے پرواز خیال کا معدوم ہونا ہے، یعنی عوام الناس کے خیالات رفعت پر دانے سے قطعی عاجز ہوتے ہیں، اور اسی بنا پر رسم و رواج، ملکی حوادث، اور مذہبی ادغام وغیرہ بھی اُن کی ذہنیت پر ایسا بھوم کر لیتے ہیں۔ کہ وہ اپنی ذہنی پرواز کو اُن کے ماورائے نہیں لیجا سکتے! اور یہ ظاہر ہے۔ کہ جب کسی دماغ میں رفعت پرواز کی صلاحیت معدوم ہو جاتی ہے۔ تو اپنے ماحول کی ادنیٰ سے ادنیٰ شے بھی اُسے متاثر کرنے کیلئے کافی ہوتی ہے، اور اب اُس کی ذہنیت کیا ہوتی ہے؟ گویا ایک ایسی کتاب ہوتی ہے، جس میں چند وقتی تجاربِ علت معلول کے ناقص نتائج کے ساتھ، اور چند حوادثِ تخیروا استعجاب کو لئے ہوئے

اور بعض اوقات در سووم حقیقت اور اصلیت کے عنوان میں مندرج ہوں۔ عوام الناس کی ذہنی کمزوری اپنے ساتھ بعض بدترین نتائج اور بھی لاتی ہے، اور وہ کیا ہیں؟ عقلی تفکیریں اور ذہنی نظریات ہر قسم کے جیب علم غلط ہے تو عقل کا بھی ناقص ہونا امر لازم قرار پاتا ہے۔ چنانچہ ہم اگر ان کے عقل کا نقشہ کھینچیں، تو اس کی نشان کیا ہوگی؟ بعض ایسی خود غرضیاں جو اپنے ہی لئے مصرت و ساس ہوں، چند ایسے فریب و جھگڑا کفارہ اپنی ہی ذات کو بھگتنا پڑے، بعض ایسی نیکیاں جو خوشی و اختیار دونوں کے معنی میں ہیں، کامیاب ہوں، اور چند ایسے اُبلتے ہوئے چند بے عقل کا خون کرسٹے واسطے ہوں، نظر آئیں گے، یہ بھی نفسیات عوام کی مختصر سرگزشت، اب ہم اپنی تمہید کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کر رہے ہیں!

### عوام الناس کے قواسم عقلی۔

عقل عوام کی مختصر تعریف یہ ہے کہ صحیح استدلال کے قبول کرنے کی ان میں صلاحیت مطلقاً نہیں ہوتی۔ البتہ وہ جس قسم کے استدلال سے متاثر ہوتے ہیں وہ حقیقتہً چند مغالطے ہوتے ہیں، جو مانع کارنگ پر صفا کر ان کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور ایسے مغالطوں میں بھی وہ مغالطے انہیں زیادہ اپنی جانب سے پہنچنے میں کامیاب ثابت ہوتے ہیں، جو ان کے ذاتی تجربہ اور واقعات میں بھی عقلی حاکم نہیں ہوتے۔ اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض استدلال عوام کو اپنی طرف متوجہ کر لیں مگر ان کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ جب تک ان کی ذہنی ساخت کے مطابق اثر نہ لیں، اس وقت تک وہ ان کی نظر میں مان لئے جاسکے کہ قابل نہیں ہوتے، اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض عقلی استدلال کی عوام ان کے اپنے مطابق صورت بدل لیتے ہیں۔ پادرم ہوا فرضی اور جھوٹے فسانے ان کے حافظہ کے نقوش و نگار ہوتے ہیں۔ اور وہ عجوبہ واقعات جو حقیقت سے کوئی

تعلق نہیں ہوتا، عوام کو اپنی جانب کھینچنے میں کمال دسترس رکھتے ہیں۔  
عوام الناس کے افعال و اعمال۔

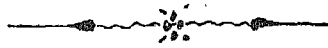
اس مقام پر ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ عوام میں عملی مادہ زیادہ ہوتا ہے اور اس کی باعث یہی ہے۔ کہ ان کی قویٰ فکری کی کمی انہیں عمل کے گہرے نتائج پر پہنچنے کی صورت کو براہ راست کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ یہی شے انہیں عمل کے میدان میں سرگرم ہونے کیلئے مستعد کر دیتی ہے۔ اس امتیازی خصوصیت کو اگر ہمیشہ نظر رکھ کر عوام و خواص کے افعال کا موازنہ کیا جائے تو میرے خیال میں عوام الناس کے افعال شمار میں زیادہ نکلیں گے۔ مگر بے ربط، سادگی، آمیز اور بے مصروف بھی بٹھریں گے، ان میں استحکام بھی کم پایا جائیگا۔ اور ان میں سے اکثر اعمال ایسے نکلیں گے جن میں بجائے کسی فرد کے ارادہ کے ایک جماعت کے ارادوں کی شرکت پائی جائے گی، اور اس کی وجہ کیا ہے؟ فہمی عوام الناس کی تقلید پرستی، اعتقادوں کا ذہن میں بھجوم وغیرہ وغیرہ۔

افعال عوام اور افعال حیوانات۔

عوام کے افعال حیوانات کے افعال سے اگرچہ ظاہری اور تمثیلی حیثیتوں میں قطعی مختلف ہوتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں کے افعال کا محرک بجائے دماغ کے دل ہوتا ہے اور بجائے عقل کے جذبات و رجحانات! بس فرق اسی قدر ہے کہ حیوانات کے افعال فطری اور تخیل ہوتے ہیں، درانحالیکہ ثانی الذکر صنف کے افعال غیر فطری اور مصنوعی۔ مگر باطنی حقیقت سے دونوں کی کیفیت ایک ہوتی ہے، اس لئے کہ حیوانات کے افعال کے محرک ان کے فطری رجحانات ہوتے ہیں اور عوام کے حرکات کے محرک وہ رسوم و رواج اور تمدنی اجزاء ہوتے ہیں، جو اعظم رجحالات کے دماغ کی پیدا



ہوتے ہیں۔ غرض کہ اس حیثیت سے عوام و حیوانات دونوں یکساں ہیں کہ جو کام حیوانات کے ساتھ اُن کی فطرت کرتی ہے، وہی کام عوام کے ساتھ مقامی تمدن اور رسوم و قیود کرتے ہیں! یا اس امر کو دوسرے لفظوں میں یوں سمجھو کہ اگر حیوانات کی رہنمائی میچر کے ہاتھ سے ہوتی ہے تو عوام کی رہبری اُنکا ماحول کرتا ہے!



## باب دوم

### پہلی فصل

### ذہن کے نفسیاتی اجزاء

کڑی اپنے رہنے کے لئے جانتی ہے، اسی طرح تمام حیوانات اپنی خلقت کے مطابق اپنے رہنے بہنے کی خاطر مختلف قسم کے گھونسلے اور بھٹ، وغیرہ بناتے ہیں!

چنانچہ انسان، جو ذی شعور ہونے کی بنا پر دوسرے حیوانوں سے ممتاز ہے۔ اس لئے اُس کا رجحان فطری بھی دیگر حیوانات سے مختلف حیثیت رکھتا ہے، اور اس کی زندگی تمام تر فطرت کے ہاتھ میں نہیں رہی بلکہ بڑی حد تک اپنے ہاتھ میں آگئی ہے!

پھر انسان مدنی مخلوق ہے، اس لئے کہ جب وہ اپنی حیاتی ذمہ داریاں

اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے تو پھر اُس کے ضروریات بھی مصنوعی ہو جاتے ہیں، اور اس وجہ سے اُن میں امانافہ ہو جاتا ہے! چنانچہ دورِ وحشت سے نکل کر جب انسان نے تمدن میں قدم رکھا تو اُس کے ضروریات میں اضافہ ہو گیا اور اس لئے اُسے سوسائٹی کی احتیاج پڑی، کیونکہ ہر شخص اپنے تمام ضروریات کو پورا کرنے کے لئے تنہا ناکافی تھا اس لئے تمام افراد کو متحد ہو کر کام کرنا پڑا اور ”تقسیمِ عمل“ کا رواج پڑا!

یہ داستان تو کتنی عملی زندگی کی، لیکن پھر اس عمل کے لئے کچھ مواد (دستورِ العمل) بھی ضروری تھا، اور یہ مواد بھی اُس دورِ تمدن کی ہنگامی اور مقامی پیداوار تھا۔ انسان نے اس مواد سے استفادہ کیا۔ اور ایک خاص ”نظامِ تخیل“ قائم کیا جو عمل میں آکر ”نظامِ اخلاق“ کہلایا اور اسی کو زمانہ گزرنے کے بعد کسی قدر منضبط صورت میں ”مذہب“ کہنے لگے! اور چونکہ ہر زمانہ کی اخلاقی (نفسیاتی) روح ہنگامی و مقامی موثرات کے تحت میں بدلتی رہتی ہے، یہی وجہ تھی کہ ہر زمانہ کے مذہبی اجزاء بھی بدلتے گئے اور قومی و ملکی خصوصیات کے ساتھ اُن کے نام بھی مختلف ہوتے گئے اور شکلیں بھی تبدیل ہوتی رہیں۔

چنانچہ ہماری سوشل زندگی کی نشوونما ابھی تک مذہب ہی کے سایہ میں ہوتی رہی ہے۔ جو اگرچہ اس دور میں ایک غیر شعوری نظامِ اخلاق نظر آتی لگتا ہے، مگر یہی غیر شعوری روح ہمارے محترم اسلاف کی پاس باندھ رہی ہے اور ہمارے تمدن کی یہ تمام ارتقا اسی تاریک دنیا میں ظہور پذیر ہوئی جو اور اسکے موثرات اگرچہ سچ قانون اور نظامِ حکومت کی شکل اختیار کر چکے ہیں، مگر جس طرح ایک ہی قانون ایک ہی وقت میں دو مختلف ممالک کیلئے موزوں نہیں۔ بعینہ مذہب بھی

جو ایک ذہنی و ضمیری قانون ہے، اور جس کا مفاد "جماعت" کے لئے بسا اوقات ملتی و ملکی قانون سے زیادہ طاقتور ثابت ہوا ہے، بھلا کیونکر اپنی پرانی حالت میں مفاد بخش ثابت ہو سکتا تھا؟ جو حقیقتاً قوانین عدالت کی طرح اپنے ہی وقت اور مقام کے ضروریات کا ترجمان ہے!

( ۵ )

غرضکہ ضروریات اور مزاج کے اختلاف کی بنا پر جس طرح ہر زمانہ اور ہر قوم کے لئے ایک ہی قسم کا قانون کارگر نہیں ہو سکتا، اُسی طرح ایک ہی مذہب نبی، ہر زمانہ یا ہر قوم کے لئے "مفاد بخش" ثابت نہیں ہو سکتا! اور اس میں ہر لحظہ تعمیر کی ضرورت ہے!

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ایک ہی قوم میں مختلف زمانوں میں مختلف مذاہب کا دور دورہ رہا ہے، جو گویا اس زمانہ کے مزاج عقلی کے ترجمان تھے اور قومی نفسیات کے پر تو! اور ان ادوار سے ہر قوم کے لئے گزرنا ناگزیر ہے!

مثال کے طور پر ہندوستان کو لو، جو اپنے تمدن کے لحاظ سے دنیا کی قدیم ترین قوموں میں سے ہے، اور اس لئے اسے مختلف زمانوں میں مختلف مذاہب سے سابقہ پڑا ہے۔

ہمیں تاریخ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جب ہندوستان کا دورِ وحشت ختم ہوا ہے اور تمدن کا سنگ بنیاد رکھا گیا ہے، تو اس وقت کی انسانی ذہنیت کیا تھی؟ اس کا سہ ظاہر ہے کہ ہر قوم کا ایک خاص مزاج عقلی ہوتا ہے، جو اختلافِ آب و ہوا اور ملکی و سوشل حالات سے بنتا ہے، یہی شے دو مختلف اقوام میں ماہ الامتیا نہ ہوتی ہے!

خفرت کے تمام مظاہروں کے مشاہدہ سے ”تقریباً“ بے خبر تھا، دنیا اُس کی نگاہ میں ایک عجیب حائل تھی۔ جہاں قسم قسم کی شکلیں، صورتیں اور آوازیں تو پائی جاتی ہیں، مگر واقفیت بہت کم چیزوں سے ہوتی ہے!

ایسی حالت میں ہر وہ شے جو انسان کی توجہ کو کسی طرح بھی اپنی جانب کھینچ سکتی تھی یا اُس کے لئے معذرت دہاں یا منفعت بخش ثابت ہو سکتی تھی، بس اُس کی نگاہ میں ایک آسانی، ہستی (دیوتا) تھی، اور یہی وجہ تھی کہ مثلاً اگرچہ والی بجلی بھی اُس کے لئے ایک دیوتا تھی اور روشنی پہچاننے والا سورج بھی، اور انسان کا یہ رجحان بالکل فطری تھا، جس کا استعمال ”گرچہ“ ”جہل“ کے باعث غلط ہوا، مگر حقیقتاً یہی رجحانات انسانی زندگی کے پاسبان ہوتے ہیں!

لیکن رفتہ رفتہ تمدن کو استحکام ہوا، اور انوکھا انسان کو اپنے ہم جنس مخلوق کے خصوصیات سے مشابہہ کا بھی موقع ملا۔ اب کیا تھا، وہی حیرت دہن کا تھا، اب یہاں کام آگیا، اور اب وہی ”سُر“ جو پہلے سورج یا دریا کے سامنے جھٹکا تھا، اپنے سے بڑا قہور ”انسان“ کے آگے جھٹکا گیا۔

لیکن ارتقا کا یہ لازمی نتیجہ ہونا تھا کہ ذہن میں عقل و شعور کی کیفیت پیدا ہو جاتی، اسلئے اب قوم کا مزاج عقلی چریدار ہے اور اُسے اس امر کا احساس ہونے لگتا ہے، کہ آخر اپنے سمجھنے کے آگے سر جھکانے کے کیا معنی ہیں؟ پھر بھی انسانی ذہنیت ابھی ناقص ہے اور اپنے کمال کو نہیں پہنچی ہے، لیکن ثقافت خیالی کے مفود نے اپنے سمجھنے کی حقیقت کو اس کے سامنے رکھ دیا ہے۔ اسلئے اب وہی بت پرستی، خدا پرستی کا قلب اختیار کرتی ہے۔ اور چونکہ خیالی پرواز پیدا کر دینا تمدن کے ارتقاء کا کام ہے، اسلئے اب مادہ پرستی ”خیال پرستی“ بنتی ہے جس کا مرتبہ ذہن انسانی کے اعتبار سے بلند تر ہے۔

لیکن یہ مزاج عقلی زمانہ کے ساتھ اب پھر کر ڈٹ پڑتا ہے۔ اور اب دماغ انسانی اپنے لئے "خودی" کا درجہ لاتا ہے جس کے نتیجہ میں خود پرستی یا فطرت پرستی آتی ہے، جسے دہریت کہتے ہیں :-

چنانچہ بت پرستی، خدا پرستی اور دہریت یہ سب ایک ہی چیز ہیں، البتہ فرق صرف اسی قدر ہے کہ بت پرستی کا محرک جذبہ یا احساس ہے، اور خدا پرستی یا فطرت پرستی کا محرک شعور و عقل۔ اول الذکر شے آغاز تمدن کی یادگار ہے، اور آخر الذکر کمال تمدن کی پیداوار! مگر جملہ مختصر یہی طرح ہمیں یہ بھی ظاہر کر دینا ضرور ہے، کہ یہاں عقل و جذبہ کی تقسیم بھی ہم نے عرفی طور پر کی ہے، مرنہ واقعی طور پر عقل کوئی مستقل شے نہیں، بلکہ جس قدر بھی کیفیات دماغ انسانی پر طاری ہوتے ہیں، ان سب کا مجموعی نام عقل ہے، اب اسے چاہو جس نام سے پکارو، البتہ فرق اتنا ہے کہ ثانی الذکر کو محض جذبہ ہی نہیں بلکہ جذبہ انسانی کہنا چاہئے!

(۳)

یہ ہے مذہب کا وہ عالمگیر قانون، جس پر اجمالی حیثیت سے ہم کافی روشنی ڈال چکے، البتہ اتنا کہ دنیا اور ضروری ہے کہ اس قسم کا انقلاب قوموں میں اس وقت آتا ہے۔ جب ان کا مزاج عقلی یا روح تبدیل ہو جائے، اور یہ انقلاب بھی یکایک ظہور پذیر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ پہلے تو اپنے موجودہ تمدن کے خیالات رجحانات آہستہ آہستہ ایک مدت تک دماغ میں چبھتے رہتے ہیں۔ اور جب یہ نقلیں کی مدت

۱۲ مگر اس موقع پر اتنا کہ دنیا ضروری معلوم ہوتا ہے، کہ اس وقت مذہب کی بنیاد قیاساً پر رکھی جاتی ہو، اس لئے کہ دماغوں میں کمال طاقت پرواز آجاتی ہو اور عین مفقود ہو جاتا ہے ۱۲

ختم ہو جاتی ہے تو یہ ایک کئی قوی الارادہ شخص اس پرانے خیال کے خلاف جہاد کرنے کیلئے کھڑا ہو جاتا ہے۔ امدتِ دن کے تختہ کو الٹ دیتا ہے۔ جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کا طبقہ الٹ گیا۔ مگر حقیقت یہ تمام ”انقلاب“ ایک مدت کے اثرات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جو غیر شعوری حیثیت سے عام نظردل سے اوجھل ہو کر اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ قانون محض مذہبیات ہی کے ساتھ وابستہ نہیں بلکہ کچھ سیاسیات وغیرہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں، چنانچہ وہ تمام مظاہر جنہیں آج ہندوستان میں ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ کئی صدیوں کے پیداوار ہیں

.....! اس جگہ جملہ معترضہ کی طرح ان قوی الارادہ اشخاص کے سلسلہ میں ہم اس قصہ کو بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ کہ حقیقت یہی وہ افراد ہوتے ہیں جنہیں گو یا کسی قوم کے تمدن حاصرہ اور مستقبل کی درمیانی کڑیاں کنا چاہئے! یہ اشخاص ہمیشہ مصائب ہی بھینٹے رہتے ہیں۔ اسلئے کہ کسی قدیم تمدن کی موت اور جدید تمدن کا اس کی جگہ لینا، ظاہری و باطنی ہر قسم کا انقلاب لاتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ قوم اپنے قدیم تمدن سے بہت محبت کرتے ہیں اور بڑی مشکل سے اسے چھوڑتے ہیں۔ اور یہی وہ منکرات تھے، جن کی بنا پر مثلاً محمد صاحب اور سقراط کو اپنے زمانہ میں خدا پرستی کی تبلیغ میں اُسی قسم کے مصائب بھینٹے پڑے تھے، جن کا آج کسی روشن خیال فلسفی کے لئے مذہب عقیدت کی اشاعت کے باب میں سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور دونوں قسم کے اشخاص پر اپنے زمانوں میں یکساں طعنے پر کفر و الحاد کے فتیے لگائے گئے، دراصل ایکہ دونوں کی داعی پیداوار اپنی دور کے صحیح موثرات میں سے ہے!

## دوسری فصل مذہب و عقلیت

ہم مختصر طور پر یہ بیان کر چکے ہیں کہ بت پرستی جو یا خدا پرستی۔ وحدانیت یا دوسریت۔ یہ سب مذاہب ایک ہی جذبہ انسانی کی مختلف شاخیں ہیں۔ اور مختلف سوچرات ہیں، جو مختلف زمانوں نے مختلف اقوام میں پیدا کئے اور چونکہ دور بہ دور یک جمل اور جذبات کا زمانہ تھا۔ اسلئے دماغ انسانی کی پیداوار بھی کسی قدر ناقص اور دھوری رہ گئی۔ اور مذہب خدا پرستی اسی قسم کی پیداوار کا ایک نمونہ ہے۔

بات یہ ہے کہ جیسا کہ بیان ہو چکا، انسان نے جب بت پرستی سے منہ موڑا، تو تدریجاً یہ لازمی طور پر ہونا تھا کہ پتھر (جسمانی) کے خدا کو توڑ دے خیال (دماغی) کے خدا کو تعمیر کرے۔ اور ارتقا کی اس منزل میں بھی عرصہ تک دماغ انسانی کو کام کرنا تھا، لیکن آہستہ آہستہ ارتقا کی وہ منزل بھی آئی، جب دماغ انسانی کی پرواز ایک اعلیٰ معیار پر پہنچ گئی، اور اب وہ ذی شعور حیوان کا کامل ثبوت دینے لگا۔ ایسی صورت میں یہ لازمی بات تھی کہ وہ اپنے تمام مسائل زندگی پر عقل کی روشنی میں استدلال قائم کرتا یہی وجہ تھی کہ جذبہ خدا پرستی اب مسئلہ خدا پرستی بن گیا۔ پُر زور دلائل بھی اس کے اثبات میں مانع نہ ٹھہرائے۔ اور دماغ تو اس کام میں بہت مشغول ہے!

لیکن فطرت کو قرار کمال، ارتقا کے ساتھ ساتھ تمام مشاعرہ احساسات بھی اپنی حیثیتیں بدستے گئے، اور آخر کار انسان نے یہ راز پایا کہ مسئلہ خدا پرستی بھی ایک جذبہ ہے، اور ایک عقیدہ ہے جو خالص عقل پر پورا نہیں اترتا۔ اس لئے کہ

اب عقل انسانی کی حیثیت بدل گئی تھی۔ اس وقت اس عقیدہ کے متعلق بھی جرح و  
 قرح کا دروازہ کھل گیا۔ اور بہت دیر میں یہ راز آشکار ہوا کہ دماغ انسانی کی وہ  
 مقدس تخلیق (خدا) دراصل فطرت انسانی ہی کا ایک بلند ایڈیل ہے، یعنی انسان نے  
 اپنے دماغ کی غیر جنگی کے عالم میں دور جہالت کے بچے کچھے اثر سے کام لیکر اپنی ہی  
 جنس (صفات) کا ایک بلند ترین نخل اپنی بساط کے مطابق تیار کیا، اور ان تمام  
 صفات کا جو انسان میں اُس زمانہ کی ذہنیت کے مطابق پائے جلتے تھے، اُسے ایک  
 مجبور بنا دیا۔ تمام عجوبہ انسانی سے اس خیالی منظر کو آنا دکر دیا۔ (دراصل لیکہ اپنی اس  
 کوشش میں وہ ناکام رہا۔ اس لئے کہ ہر صاحب صفات ذات میں عجیب کا پایا جانا بھی  
 ضروری ہے) اور پھر اپنے اس ذہنی بُت کو دو دنوں جہان کی قدرت بھی دے دی۔  
 اور آخر کار اپنی مخلوق کا خود مخلوق بن بیٹھا۔

لیکن اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ اس دہم کی حقیقت بھی تمام عالم پر آشکار ہو گئی  
 ہے، اور اب ہمیں یہ نظر آنے لگا ہے کہ ان اوصاف کے خدا کے لئے تو موت بھی  
 لازمی ہے۔ اور اگر حقیقت کوئی خدا ہو تا بھی تو وہ ہمیں اس دہم اور امید و یحیم کے  
 عالم میں کیوں مستحکم کر دیتا؟ اور دنیا کو ضلالت و گمراہی سے کیوں نہ نجات دلاتا؟  
 اور کچھ ہمیں یہ بھی دکھائی دینے لگا ہے، کہ اگر کوئی حقیقت ہمارے لئے  
 قابلِ اعتماد ہے بھی، تو وہ یہی ”نیچر“ یا ”مادہ“ ہے۔

لے ہمارے اس نظریہ کی شہادت وہ عالمگیر قانون قدرت دے رہا ہے، جس سخت  
 میں دنیا کے مختلف اقوام اپنی ہی نفسیات کی مطابق اپنی ”معبود“ بھی مختلف بنائے ہوئے ہیں، مثلاً ایرانی  
 اگر جنگوں میں تو انشا خدا بھی مجسمہ استبداد“ی۔ یہودی غصہ کو مقدس مانتے ہیں، اور قدامتیاں  
 دیوی ایزس کے اوصاف میں خدا کو بھی محسوب کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔



ہم کو اپنی زندگی میں اسی پچیس واسطے سے جو ہمارے ظاہری دباطنی دلوں  
 عالموں کا سرمایہ ہے، اگر ہماری روح بھی کچھ ہو سکتی ہے، تو وہ یہی خیر ہے، خیر ہمارے  
 مشاہدہ کے اندر بھی ہے، اور باہر بھی، ہم خیر کے فرزند ہیں، پھر ہمیں اس میں اپنا  
 حصہ لینا چاہیے۔ پھر ہم کو اس کی قدر و قیمت پہچانی چاہئے، اور اگلے وقتوں کے  
 لوگ جو اس زندگی کو ایچ پوچ سمجھتے تھے، ہم ان کی حالت پر رحم کرنا چاہئے، اس  
 لئے کہ وہ نادان تھے، جو ایک ذہم میں مبتلا رہے۔ اور جنہوں نے یہ نہ جانا کہ یہ دنیا کیا  
 ہے؟ اور زندگی کسے کہتے ہیں؟ انہیں اس کی خبر نہ تھی کہ یہ کائنات "فطرتِ جادو" کا  
 ایک سمندر ہے، جس کا ظاہر باطن سے زیادہ پراسرار ہے اور باطن ظاہر سے زیادہ  
 روشن! اور ہماری موت بھی زندگی ہی کا ایک پرتو ہے، جو کسی حیثیت سے بھی بے پایہ  
 نہیں!

اس لئے ہم کو اپنی زندگی کے تمام مظاہر کی قدر کرنی چاہئے! اور موت کے  
 مطلقاً ڈرنا نہیں چاہئے، اس لئے کہ وہ بھی تو ہماری حیاتِ حاضرہ ہی کا ایک  
 دوسرا رخ ہے!

۱۔ اگرچہ میں ایک عرصہ تک مشکوک رہا، جس کے آثار میری پرانی تصنیف "پیامِ جاوید"  
 میں پائے جاتے ہیں۔ مگر اب میں نے اپنی دیرینہ خیال کی غلطی کو پالیا ہے اور ظاہر ہے  
 کہ ہر شے میں پہلے قدرتی طور پر انسانِ شک میں مبتلا ہوتا ہے اور اس کے بعد یقین کا درجہ  
 آتا ہے۔

## تیسری فصل

### پارینہ مذاہب کی ساخت

مذہب کا تعلق براہ راست عوام سے ہے۔ فقہانِ عقل جن کا وصف امتیازی ہے، اسلئے فلسفہ اور حقائق کا ادراک ان کے ذہن سے بالاتر شے ہے! یہی وجہ تھی کہ اب تک جس قدر بھی بائیان مذاہب گذرے ہیں، انہیں بھی اپنے خیالات کو عوام کے ذہن کے مطابق بنانا پڑا ہے۔ اور جس مقصد کے حصول میں کارگر اسلوبِ حسبِ ذیل ہیں:-

۱۔ مدعیانہ و تنحیدانہ طرزِ کلام اور استدلال سے گریز، جو طریقہ اشاعت کے تمام عامی مذاہب اور قواعینِ عدالت کے نفاذ میں پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ نیزہ بائیان مذاہب کے مختلف قسم کے دعویٰ مثلاً نبوت وغیرہ بھی اُسی پالیسی کے تحت میں آتے ہیں۔

۲۔ تمثیلِ بیانی، یعنی اپنے خیال کو تشبیہ و استعارہ کی تسطیل میں بیان کرنا، ہمارا یہ طرزِ عمل اگرچہ اصل حقیقت پر ملح کا رنگ چڑھا کر واقعہ کو کچھ سے کچھ کر دیتا ہو مگر اپنے مقصد میں کامیابی مندرکہ اصول کو کام میں لانے بغیر ممکن نہیں! جس کی مثال میں ہم خبت و دوزخ اور قیامت و غیرہ کو پیش کر سکتے ہیں!

۳۔ تکرار، یعنی اپنے مطلب کو بار بار دہرانا اور اس کے لئے مختلف اندازِ بیان اور اسلوبِ تلاش کرنا چنانچہ یہ شے بھی ہمیں تمام مذہبی کتب کی عبارتوں اور ان کے ہدایات میں ملتی ہے!

۴۔ تودیر اثر۔ یعنی اس امر کی کوشش کرنا کہ اس طریقہ سے جو اثر کسی ایک شخص پر پڑ گیا ہے، وہ جھیک کر تمام جماعت پر چھا جاسکے۔ اور یہ شے محض مذہبی کتب ہی میں نہیں بلکہ پیشواؤں کی طرز زندگی میں بھی پائی جاتی ہے!

چنانچہ اس رمز سے میں خطبہ رادر مغربین کی تقریریں بھی شامل ہیں اور بانیان مذاہب کی تبلیغیں بھی! جو خطبوں کی طرح جس قدر محض آفرینی سے پاک ہوتی ہیں اسی قدر جوش اور جدت بیان میں قابل لحاظ! اور اس خصوصیت میں بانیان مذاہب کی فقط تبلیغ ہی نہیں آتی۔ بلکہ ان کی زندگی بھی آتی ہے، وجہ یہ کہ بیان ہر جگہ ہے اور اگرچہ ایک استعارہ ہوتی ہے مگر تقلید کی نگاہ میں ایک ٹھوس اور مضبوط شخصیت! لیکن نکتہ رس نگاہ اس حقیقت کو پالیتی ہے، کہ آیا کہا تک ان کے اوصاف میں مبالغہ کا رنگ چڑھا ہو! البتہ عام نگاہیں اندرونی موثرات سے گزر نہیں سکتیں۔ اور ان کا فقدان شعور ان میں اس درجہ تھپڑ کے اٹھانے کی طاقت پیدا نہیں ہونے دیتا۔ اور ظاہر ہے کہ جب کسی خیال میں استدلال کی شرکت نہیں ہوتی تو اُسی کا نام عقیدہ ہے!

یہ عقیدہ عوام کیلئے بڑی موثر شے ہے، اسلئے کہ شخصی رائے سے جماعت بے بہرہ ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ مجر اپنے پیشہ کے اور زندگی کے کسی موضوع پر سوچنے کی جماعت میں بالکل صلاحیت نہیں ہوتی، یہی وجہ ہو کہ اُسے قدرتی طور پر کسی مادی یا ایثار کی ضرورت پڑتی ہو۔ اور اس وقت یہی عقیدہ اس کا رہبر بن جاتا ہو، جو گویا کسی شخص یا خیال کو اُس کے سامنے قادر مطلق بنا کر کھڑا کر دیتا ہے۔

اس قسم کے رہبر کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ گویا اس کی مرضی جماعت کی مرضی کے اندر جذب ہو جاتی ہے۔ اور پھر اس غیر شعوری کے عالم میں جو افعال جماعت سر سرزد ہوتے ہیں۔ ان کی نگہداشت بھی یہی عقیدہ کرتا ہے! یہی وجہ ہے کہ مذہبی دنیا

میں عقیدہ کو بڑی عظمت دی گئی ہے۔ لیکن ہم لطیفہ کے طرز پر یہ جملہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ جو نیک انصافی یا عبادت اس غیر شعوری کے عالم میں انسان کو صادر ہوتے ہیں، کوئی بنا سکتا ہے کہ اس میں شخصی ارادہ کی شرکت کہاں تک ہے؟ اور اس لئے دنیا سے عقل میں اسکی کیا حیثیت ہے؟ میرا جواب تو یہ ہوگا کہ ایک ذی شعور انسان کی وقتی بدکاری بھی اس قسم کی زندگی بھر کی عبادت پر افضل ہے جس میں عقل و ارادہ کا عنصر شریک نہ ہو۔

بہر حال اس عقیدہ کو توڑ دینے کی ایک سال صورت یہ ہے کہ ان معتقدات کو بحث و مباحثہ کی زد پر لگادیا جائے، ایسی صورت میں ”عقیدہ“ (جو ایک غیر شعوری کیفیت کا نام ہے) کے دن پر سے ہو جاتے ہیں، اور شعور و ادراک کا وجود اسے فنا کر ڈالتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے، کہ وہ مذہبی عقاید جو کئی ہزار برس تک ماخول پر حکمرانی کرتے رہے، دورِ حاضرہ (جسے عقل و شعور کا زمانہ کہتے ہیں) میں ذر بذر کمزور پڑنے لگے ہیں! اور اگر زمانہ اسی رفتار سے آگے بڑھتا گیا تو یہ دیر نہ مذہب کی عبادتیں (جو دورِ تدبیر میں تعمیر ہوئی تھیں)، اور اسی لئے ان کی بنیادیں بھی عقائد پر رکھی گئی تھیں) بہت جلد ڈھسا جائیں گی۔ اور ان کی جگہ ایک دنیا سے عقل آباد کی جائیگی۔ جس میں اعلیٰ ذہنیت کا دور دورہ ہوگا! عبادت کا مقام ایسے اعمال لینے جن کا تعلق ہماری روشن زندگی سے ہے۔ اور آسمانی کتابوں کی جگہ فلاسفہ کی تصانیف پڑھی جائیں گی!

# چوتھی فصل

## معجزہ

یہ حقیقت بیان ہو چکی ہے، کہ مذہب کے نفسیاتی اجزاء چند دلچسپ توہمات کے سوا اور کچھ نہیں۔ جو معتقدات کی شکل میں اپنے پیروں کے ذہنوں میں گھر کئے ہوتے ہیں؛ و نیز جس قدر زیادہ یہ توہمات کسی دیرینہ قسم کے مذہب میں پائے جاتے ہیں۔ اسی قدر عوام کی توجہ کو اپنی جانب جذب کرنے میں وہ زیادہ کامیاب ثابت ہوتا ہے!

چنانچہ بائیبل مذہب کی کتابوں کا الہام سے منسوب کیا جانا یا بعض اُن کے افعال (جن کی حیثیت اگرچہ عام ذہنیاتوں سے مختلف ضرور ہوتی ہے) کو ماوراء افعال (معجزہ) قرار دینا، اسی کے تحت میں آتا ہے۔ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ دنیا ان افعال کا مرکز ایک انسان ہی کو پاتی ہے، پھر بھی اُسے انسانی طاقت سے بالاتر مانتی ہے؟ کیا شیکسپیر اور فردوسی کا جواب آسان ہے؟ جو آسمانی کتابوں کا جواب مانگے

۱۔ زمانہ کے مذاہب متبادلہ مثلاً عیسائیت، اسلام اور ہندو مت وغیرہ۔  
 ۲۔ اگرچہ اس دعویٰ پر بھی میرا یہ اعتراض ہو کہ ہمارے پاس اسکا ثبوت ہی کیا ہے؟ کہ مثلاً قرآن کا جواب اہل عرب نے نہیں دیا! اسلئے کہ ہمارے پاس حقیقت پر مبنی روایات ہیں، وہ سب مسلمانوں ہی کے ہیں، اور ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے قرآن کا جواب یا حقارت (بقیہ حاشیہ پر)

جانتا ہے ہا اور اس طرح ان کے آسمانی کتب ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور دواغ  
 رسانی کو محدود بنا دیا جاتا ہے !!  
 عوام کی ذہنیت کچھ عجیب تو ہم پرست واقع ہوئی ہے ، وہ ہر اُس ذات کو جسے  
 وہ اپنی ذہنیت سے بالا تر پاتی ہے ، "دیتا" بنا دیتی ہے ، چنانچہ "ماتا" کا مذہبی کے  
 متعلق بھی یہ عقیدہ شائع ہوا تھا ، کہ اُن کی دُعا سے غیر عیسٰی درختوں سے روٹی اُگ  
 آئی ، اور اگر یہ زمانہ "علمی دور" نہ ہوتا ، تو یقیناً "گاندھی" بھی مثل رام یا کرشن یا محمد زبیر  
 کے ایک پیغمبر بنا دیوتا بن گئے ہتھے !

جماعت کو کبھی صحیح روشنی نظر نہیں آتی ۔ اسلئے بڑے سے بڑے آدمی  
 کو بھی جماعت کی نگاہ میں اپنا کوئی مقام پیدا کرنے کیلئے خود کو ایک "عجوبہ" یا "میراثہ" کی  
 ہستی دکھانا پڑتا ہے ! اسلئے اکثر قائدین اور بابائین ، اہل رب کو تو شخص اس راز کو پیش نظر  
 رکھ کر اپنے دور قومی کے مذاق کا لحاظ کرنا پڑا۔ جو زمانہ گزرنے کے بعد آج ہمک نظر  
 آ رہے ہیں۔ اور چونکہ یہ علم و عقل کا دور ہے ، اسلئے اب کوئی اصلی راہنما ان باب

والبقیہ حاشیہ ص ۱۹۱ اسلام انہیں تسلیم نہ کر سکتے تھے ؛ چنانچہ اُن کفاروں کے نزدیک قرآن کا  
 جواب ہو گیا۔ لیکن مسلمانوں نے انہیں تسلیم نہیں کیا ، اور ظاہر ہے کہ جب کسی فرقہ کی  
 سیاسی طاقت بڑھ جاتی ہے۔ تو پھر اس کا مقابلہ کرنا آسان نہیں ہوتا ، اور ہر کسی کے اعتقاد  
 کو بدل دینا تو بہت مشکل کام ہے۔ بات یہ ہے کہ جب کسی ذات یا شے سے کوئی عقیدت پیدا  
 ہو جاتی ہے تو اس دُعا کی نگاہ میں اسکا اصلی معیار بن جاتی ہے ، مثال کے طور پر غالب  
 کے متفقین آج اس کے پیروں کو بھی اچھا جانتے ہیں۔ اور وہ فارسی کی شہسوں ترکیبیں جو غالب  
 کی کمروریاں ہیں۔ انہیں بھی نابینا بن چکا جاتا ہے۔ اُن کی تنقید کی جاتی ہے۔ اور ان ہی کو مسیحا  
 بھی بنا یا جاتا ہے !

کہ اختیار بھی نہیں کرتا۔ جو علم و عقل کو زخمی کر نیوالی ہیں، لیکن یہ ظاہر ہے، کہ جو خیالات دلوں میں پرست ہو جاتے ہیں، وہ قدرِ مشکل سے نکلتے ہیں، اس لئے یہ توہمات آج ان الفاظِ زہنی میں رکاوٹ پیدا کر رہے ہیں۔ اور خیالات میں خاص قسم کا ہيجان اور کشمکش ہے، اچھے دُور ہونے میں ابھی صدیاں نہ گزری ہیں!!

جیسا کہ بیان ہو چکا، کہ مذہبی موثرات سے روشن عقولیں بھی محفوظ نہیں رہ سکتیں اسلئے کچھ کتبِ تعلیم یافتہ داغ ہیں، جو اگرچہ جس مریض کی مایت اور طاقت ہو، تاہم پھر بھی اس نکتہ کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ مثلاً "شوقِ فقر" کا معجزہ بھی اسی قسم کا ایک

بعض لوگوں کا خیال ہو کہ یہ معجزہ صحیح تاریخی روایات میں نہیں ملتا۔ بلکہ جس طرح بہت سی باتیں یونہی مشہور ہو جاتی ہیں۔ انہی میں سے ایک یہ بھی ہے مگر میری غرض اس مقام پر اس معجزہ سے خاص طور پر نہیں لکھی۔ بلکہ مثال کے طور پر مجھے یہ دکھانا تھا کہ مذہبی ہتھیاروں کے متعلق اس قسم کی باتیں جس عقیدت کی بنا پر مشہور ہو جاتی ہیں۔ جن کا انسانی زندگی سے کوئی واسطہ بھی نہیں ہوتا۔ اس معجزہ کو پیش کرنے سے مجھے کسی خاص ذات یا فرقہ کی ترمیم بھی مقصود نہیں۔ بلکہ زمانہ کے ناقص خیالات کی اصلاح منظور ہے اور فقط اصلاح! اور یہ دکھانا ہے کہ یہ تمام معجزات کامی سنس سے کام لینے سے ہماری آنکھوں کے سامنے نمایاں ہو جاتے ہیں، انہی معجزات کی ایک تاریخ چار سال پہلے پنجاب میں بھی لکھی گئی ہے۔ جس کے ہیرو مرزا غلام احمد تادیابی تھے یعنی وہ نام پیشین گوئیاں جو ہر ذی فہم، اگر وہ نفسیاتِ جماعت کا کچھ علم رکھتا ہو۔ ہر سانی کے ساتھ کر سکتا ہے۔ انہیں آج معجزات کہا جاتا ہے۔ مرزا صاحب اس امر سے آشنا تھے کہ جماعت کسی بات کو جلدی قبول نہیں کرتی، اسلئے وہ اس وقت کا انتظار کر رہے تھے، چنانچہ ان کے مستقبل نے جب جماعت کے ذہن میں اپنا گھر لیا تو انکی ہر بات ایک معجزہ بن گئی۔

کر شہ تھا، جو ایک جماعت کے سامنے کسی خاص مصلحت کو پیش نظر رکھ کر تیرہ سو برس پہلے عمل میں لایا گیا تھا۔

پھر غضب تو یہ ہو کہ جہاں میں شریک ہو کر ایک ذی شعور انسان کی بھی عقل پریم اور شعور غائب ہو جاتا ہے۔ اس لئے کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ بات بھی اُسے جو حیرت ناپذیر اثر میں کافی ہوتی ہے اور پھر کسی ایک مانع پر جو کیفیت طاری ہو جاتی ہے، تقدیر اثر کی بنا پر وہی کیفیت تمام افراد جماعت میں پھیل جاتی ہے۔ چنانچہ یہ حقیقت بھی معجزاتِ تعالیٰ اور کما نیوں کی شکل میں پائے جاتے ہیں، ان کی شان یہی ہے کہ یہ سب بعض توہی الارادہ استخا ص (پیشبرایہما وغیرہ) کے اقوال و اعمال ہیں، جنہیں سب سے پہلے جماعت کی کسی ایک فرد نے غلط طریقہ پر سمجھا ہے اور پھر تقدیر اثر کی بنا پر یہ خیال تمام جماعت میں پھیل گیا ہے (جیسا کہ مذکور بالا ہے)۔

جماعت کی اس اثر پذیری اور تقدیر اثر کی چند مثالیں مشہور فریج فلاسفر لیبنا نے اپنی ایک لاجواب کتاب دی کروڈ میں پیش کی ہیں۔ جن کو سن لینے کے بعد اس قسم کے عقیدے نہایت آسانی کے ساتھ حل ہو جاتے ہیں۔ وہ کہتا ہے:-

”ایک بار موسیو ڈیوی نے یورپ کے سائنس دان ماہرین کو جن میں انگلستان کا مشہور عالم مشروطیت بھی تھا۔ اس بات کی دعوت دی کہ وہ ایک جگہ جمع ہو کر اس کے حیرت انگیز طلسمی اعمال کا مشاہدہ کریں۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے، تو موسیو ڈیوی نے ان کے سامنے کچھ چیزیں پیش کیں۔ اور ان کو اجازت دی کہ ان اشیاء پر جہاں جہاں چاہیں۔ ہر گنا دیں، پھر ان کے سامنے موسیو ڈیوی نے تمام وہ طریقے استعمال کئے جو فنِ استدلال اور فنِ تخمینہ ارواح میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ یہ اعمال اس قدر حیرت انگیز تھے کہ ان کو دیکھ کر سارے مجمع نے جو اکابر علماء پر مشتمل تھا، موسیو ڈیوی کو اس معجزانہ کے ساتھ ٹیکہ لگا دیا، کہ جو باتیں



اس وقت ہمارے سامنے گذریں۔ وہ طاقت بشری سے بالاتر تھیں۔ لیکن جب یہ سارٹفکیٹ موسیو ڈیوی کے ہاتھ میں آ گئے۔ اس وقت اس نے جمع کے سامنے یہ اقرار کیا کہ یہ ہمارے کارا گھیل ایک مشہور تھا۔

چنانچہ جب اس قسم کا اثر و شن خیال علماء پر ڈالا جاسکتا ہے، تو عوام الناس بھلا کس شہسار میں ہیں! اسی قسم کا ایک اور واقعہ لیوان کھتا ہے:-  
 ”شہر پیرس میں ایک مقام پر کسی بچہ کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اتفاقاً ایک دوسرا لڑکا ادھر سے بھاگا، اور اس نے بیان کیا کہ یہ میرے ایک ہمدرس دوست کی لاش ہے دوسرے دن اُس کی ماں طلب کی گئی، وہ لاش کو دیکھتے ہی چلا اٹھی کہ یہ میرا بچہ ہے جو جاہ لائی سے لاپتہ ہو گیا تھا، لوگ اُسے پوچھنے لگے۔ اور اب اُسے قتل کر کے اس مقام پر چھوڑ گئے۔ اس عورت کا نام جیا ونڈریٹ تھا۔ اس کے بعد اس کی ماں کے بہنوئی کو اطلاع ہوئی جس نے آ کر بیان کیا کہ یہ میرے بھائی کی لاش ہے۔ اس کے بعد جیوں نے مزید شہادتیں اور طلب کیں، جنہیں اس لڑکے کے اسکول کی شہادت بھی تھی۔ اسکول ماسٹر نے لاش کی گردن میں سولے کا تھنہ دیکھ کر کہا کہ یہ بچہ اسی عورت کا ہے اور اسکی شناخت یہ ہے کہ اس لاش کے گلے میں جو تھنہ پڑا ہوا ہے۔ یہ وہی ہے جو اس بچہ کو اسکول سے انعام میں ملا تھا۔ کیا کسی دعوے کی تائید میں اس سے زیادہ قطعی شہادت آسانی سے نصیب میں آ سکتی ہے؟ لیکن واقعات بالحد سے ثابت ہو گیا۔ کہ یہ تمام ذخیرہ شہادت مجموعہ خدائات تھا۔ چھ ہفتے کے بعد پتہ لگا کہ واقعہ جس لڑکے کی یہ لاش تھی، وہ پیرس کا تھا ہی نہیں، اور یہ لاش شہر یوڈ کے ایک لڑکے کی تھی۔ جسے ایک کمپنی شہر پیرس میں اٹھا لائی ہے۔ چنانچہ بالآخر خالی، استاد، کلاس فیلو، اور دیگر محضران کو اس پر سب سے سب نے اپنی غلط شناسی کا اعتراف کیا۔“

بھیجیو یہ ہے عوام کی ذہنیت! اور یہ ہے وہ کیفیت جو جماعت میں شریک ہو کر مرزوی شعور انسان پر طاری ہو جاتی ہے!!

## پانچویں فصل مذہب میں سیاسی اجزاء

یہ حقیقت متعدد مقامات پر بیان ہو چکی ہے کہ وہ تمام مذاہب جو عوام الناس کی خاطر بنا کئے گئے ہیں۔ ان میں سیاسی اجزاء ہمیشہ شریک رہے ہیں۔ اگرچہ فلسفیانہ نقطہ نظر سے تو اسے جھوٹ کی آمیزش کہنا چاہئے۔ تاہم انادھی نقطہ نظر سے ممکن ہے کہ اُس تاریکیٹ مانہ میں بائبلین مذاہب کا یہ ”طریزہ عمل“ بعض جہتوں کو ان کی نیک نیتی پر روشنی ڈال سکے۔

یہی وجہ تھی کہ مثلاً اسلام نے اپنی اشاعت کی یہ آسان ندیر نکالی۔ کہ اُن تمام مذاہب (عیسائیت اور یہودیت وغیرہ) کو جو اس سے قبل، اس ملک (عرب) میں پھیل چکے تھے، اور جن کے پیروں سے اُس کا سامنا تھا، انہیں بھی اپنے مذہب میں شریک کر لیا، اور اسلام کو گویا اُن تمام مذاہب کی آواز یا ترجمان یا ایک ارتقائی صورت بنایا، تاکہ ان کے پیرو بھی اسلام کو خوشی کے ساتھ لبیک کہیں۔ اور وہ سب اسلامی جھنڈے کے نیچے کھڑا ہو جائیں! اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام نے بہت کچھ امر ایلی مذاہب سے استفادہ کیا ہے اور قرآن کا اکثر مواد انجیل و تورات سے ماخوذ ہے۔

تاہم جس طرح دنیا میں دو دماغ کی حیثیت سے ایک نہیں ہو سکتے، اسی طرح دو مختلف مذاہب بھی بالکل کبیاں نہیں ہو سکتے۔ البتہ ایک مشابہت سی پائی جاسکتی ہے! چنانچہ آج اگر ایک مصنف فرائج اور صاحب نظر نقاد مثلاً اسلام اور عیسائیت کا موازنہ کر لے۔ تو صحیح حصول میں یہ دونوں مذاہب وہ مختلفیت جس سے معلوم ہوتے ہیں۔ جنہیں تشابہ پیدا کرنے کی کوئی صورت ہی نہیں! اگر ایک مثلاً اشیٰ محض ہے تو دوسرا مجسمہ استبداد۔

مگر بائیان مذاہب کا یہ طرز عمل ہمیشہ اپنے پیروؤں کے حق میں یہ ذہنی مغالطہ لایا کہ وہ دنیا کے تمام مذاہب کو اپنے ہی مذاہب کے گڑھے ہوئے نقوش سمجھنے لگے۔ اور اس طرح دوسروں کی طرف سے حقارت اور اپنی عظمت دلوں میں جا کر رہی ہو گئی۔ جس کا نتیجہ لازمی طور پر یہ ہونا تھا کہ مذاہب کے متعلق نقد و تمجید کا دروازہ سد و دم ہو گیا۔ اور ایک مذاہب کے مقلدین دوسرے مذاہب کی ہر شے کو اپنے ہی مذاہب کی عینک سے دیکھنے لگے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آج ہم تمام مذاہب کے پیروؤں کو ذہنی جبر میں شدت کے ساتھ مبتلا پاتے ہیں۔ اور اسی بنا پر ہر مذاہب کا مقلد دیگر مذاہب عالم کو حقیر و ذلیل سمجھتا ہے۔ اور انہیں اپنے ہی مذاہب کا ایک ناقص جزو قرار دیتا ہے!

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ جو مذاہب (مثلاً اسلام) جس قدر جدید تر ہوگا، اسی قدر اس کے پیروؤں کو اس قسم کے غلط و دعویٰ کرنے کا زیادہ موقع ملے گا! دیکھو! یہی ہے وہ ذہنیت جو پارینہ مذاہب (جن پر اصطلاحی حصول میں مذہب

اس بحث سے مجھے اسرائیلی اسکول آف ریلیجن کی طرف خاص طور پر اشارہ کرنا

کا اطلاق ہو سکتا ہے، یہی نوع انسانی کو دے گئے ہیں !

## چھٹی فصل

### آسمانی مذہب میں فطری ارتقا میں ایکے کا واسطہ

اس نکتہ پر متعدد بار روشنی ڈالی جا چکی ہے، کہ مذہب کا بہت کچھ تعلق انسان کے ذہن کے غیر شعوری حصہ سے ہے، یعنی اُس کے قوانین، روئیں اور نمایاں صورت میں رکھتے۔ بلکہ جقدر زیادہ کوئی مذہب آسمانی کہا جاسکتا ہے، اسی قدر وہ ایک زیادہ پُرستھا ہوتا ہے۔ مثلاً آدم کا جنت سے نکالا جانا۔ ادریشیطان کا آدم کو بھڑو نہ کرنا۔ حضرت ایسا یا خضر کا حیات جاوداں پانا۔ ادرحضرت عیسیٰ کا مرنے زندہ کرنا یا ان کا چوتھے آسمان پر چلا جانا۔ حضرت لوح کی وعاسے ایک تنور سے طوفان آنا اور اس کا تمام عالم کو غرق کر دینا۔ عرش کرسی، دوزخ و جنت وغیرہ۔ یہ سب کہانیاں ہیں جو آہستہ آہستہ بچہ کے نغمات میں پیوست کر دی جاتی ہیں۔ نہیں بلکہ قومی نغمات میں صدیوں کی کوششوں کے نتیجے سے پیوست ہو گئی ہیں۔ اور جنہوں نے اہل علموں کی صورت اختیار کر لی ہے، جنہیں یا تو توڑنے کی تدبیر لگا کر دہرہ دہرہ نہیں مضمر کر جاسکتے !

چنانچہ یہ اور اسی قسم کے "تخلیف الشکل" او نام ہیں، جو تمام مرد و دنیا مذہب میں بکھرے پڑے ہیں۔ اور کوئی مذہب جقدر زیادہ پرانا ہو تا ہے، اسی قدر اس قسم کے او نام کی مقدار اس میں بڑھ جاتی ہے ! چنانچہ آج اسلام یا عیسائیت ہی نہیں، بلکہ ہندو مت، میری نگاہ میں سب سے زیادہ مجموعہ او نام ہے ! مثلاً کرن کا کان کر

۱۵ اور اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہندو مت "دیگر مذہب عالم یا عیسائیت یا اسلام وغیرہ" ۱۶

پیدا ہونا، انہیں بلکہ اس سے زیادہ تو اس کے اصول، آئیں مجموعہ اوامہ ہیں۔ مثلاً خدا کا لباس مجاز میں آنا اور کوشش و رام کا قالب اختیار کرنا۔ مسئلہ تناسخہ وغیرہ جنہیں سے بعض اصول اگرچہ فلسفہ کی مستقل شاخیں بھی ہیں جو مستقل بحثیں جانتی ہیں لیکن اس کتاب کا موضوع خاص طور پر مابعد الطبیعیات نہیں ہے، اس لئے اسے کسی آئندہ تصنیف کیلئے چھوڑنا ہوں! البتہ اس مقام پر مسئلہ تناسخہ پر روشنی ڈالنا نہایت اہم سمجھتا ہوں۔

### البطال تناسخہ

دیکھ سکتی دلیل! کیا تناسخہ کے ابطال میں اس سے بڑی کوئی اور دلیل ہو سکتی ہے؟ کہ ہمیں اپنے سپہ جسم کی مطلقاً خبر نہیں! ہم یہ نہیں جانتے کہ ہم اس زندگی سے پہلے کس قالب (جیوان یا انسان میں تھے؟) اور ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ آخر اپنے پہلے قالب میں ہم سے گناہ سرزد ہوئے تھے یا نیکیاں؟ پھر ہم موجود قالب میں اپنی اصلاح کریں تو کیا کریں۔

(دوسری دلیل) ہم اس حقیقت سے بھی کسی طرح انکار نہیں کر سکتے، کہ اگر روح کی کوئی حقیقت ہے بھی تو وہ ہمیشہ جسم کے ساتھ رہ کر کام کر سکتی ہے، مثال کے طور پر روح انسان میں بھی، حیوان میں بھی اور درخت میں بھی، مگر کیا سب درجوں کے اختیارات اور خصوصیات ایک سے ہیں؟ — اور کیا کسی ایک صنف کی

۴۴ (تقریباً ۲۳) کی طرح کوئی مستقل اور الفارادی مذہب نہیں ہے، بلکہ اس کی شان ملکی کچھ کی ہے، یعنی ہندوستان میں جس قدر بھی حالات و اوقات پیش آئے اور جنہیں بھی فلسفہ کے منکول بنکے، ان سب کے مجموعہ کا نام ہندومت رکھا گیا ہے۔ اس لئے اس میں خوب کے ساتھ زشت کی بھی آمیزش زیادہ ہونی چاہئے تھی!

روح بھی اپنے جسمانی خصوصیات کے خلاف کام کر سکتی ہے؟ جو امر کہ ناممکنات سے ہے۔ اس لئے ہم اس نتیجہ تک باسانی پہنچ سکتے ہیں۔ کہ جب دوسرے جسم میں ہماری خصوصیات اور اختیارات ہی بدل جاتے ہیں تو پھر ہمارے "اعمال" کا صحیح امتحان کہاں ہو سکتا ہے؟

(تیسری لیل) پھر ہم یہ دعویٰ بھی باسانی کر سکتے ہیں کہ یہ تینوں اصناف کے مخلوق زمان و مکان کے تاثرات بھی قبول کرتے ہیں، اور جن میں آدل الذکر صفت، انسان، نوادہ اصل اپنے ماحول کا فرزند ہی ہے۔ اس جو وقت، جگہ، آب و ہوا، تہذیب و تمدن، نیز دیگر قسم کے موثرات کو سب سے زائد قبول کرتا ہے، اس لئے ثابت ہوا، کہ روح کی تشکیل میں بہت بڑا دخل ان مادی و جسمانی خصوصیات کو ہے۔ پھر اسی نکتہ کو پیش نظر رکھ کر محض مسئلہ تاسخ ہی نہیں بلکہ روح کے اس مجبوری نظریہ "جسے تمام مذاہب عالم پیش کرتے ہیں" کو بھی ہم باطل قرار دے سکتے ہیں۔ اور نیز وہ عظیم الشان قانون (الوہیت) بھی ان خود منسوخ ہوا جاتا ہے۔ اس لئے کہ جب روح کا وجود ہی نہیں تو پھر خدا کی کیا

ضرورت؟  
(چوتھی لیل) مسئلہ تاسخ کو مان لینے کے بعد ہمیں چند مستقل روحوں کو ماننا ہی لینا پڑے گا۔ کم از کم اس قدر وحیں کہ بقدر اصناف مخلوقات ہیں، مگر جب ایک سے زائد مستقل روحوں ہم نے مان لیں، تو پھر تمام مخلوقات عالم کو مستقل ارواح ماننے میں کیا نقص واقع ہو سکتا ہے؟

(پانچویں لیل) اگر مسئلہ تاسخ کو صحیح مان لیا جائے۔ تو پھر دنیا کی آبادی ازل سے ایک معینہ تعداد میں بنی چلی ہے نفی، درحالیکہ ہم یہ دیکھ رہے ہیں، کہ اس تعداد میں روزمرہ اضافہ ہوتا جاتا ہے، جو حقیقت کہ اس مسئلہ کو ایک دہم لالینی ثابت

کر رہی ہے! **لے** محض ماحول نہیں بلکہ آباؤ و خاندانی خصوصیات بھی!

غرضیکہ یہ مسئلہ (تنازع) بھی ان چٹاؤں میں سے ہے، جو دلیغ انسانی کی ارتقاء کے ابتدائی منازل کی پیداوار ہیں، اور اسلئے وہ انہیں مذاہب یا نظام فلسفہ کے جزو ہیں جو قدیم سوسائٹی کے لئے بنائے گئے تھے، اور وہ اسلئے آج کسی طرح قابل تسلیم نہیں۔

اسلام اور دیگر اسرائیلی مذاہب کا مالور الطبیعیات بھی کچھ اس سے ہنتر نہیں، بلکہ اُسے تو اس نام سے پکارنا ہی لاعلمی کی دلیل ہے۔ وہ محض ایک استعارہ ہے اور ایک سیٹ ہے، جسے یا تو عقلی حیثیت سے مایوس سمجھ لو، ورنہ جس قدر سوچتے جاؤ گے، اُس کا لطف کم ہوتا جائیگا!

میں کہہ چکا ہوں کہ ہر مذہب اپنے زمانہ اور ملک و قوم کے موثرات کا مظہر ہوتا ہے، چنانچہ مثلاً ہندو مت (جو ایک زراعتی ملک ہے) میں گوشت خوری انسانی زندگی کیلئے ضروری نہیں، اسلئے اسے بڑھتے ہوئے محض ایک لطیف جذبہ رحم پر متاثر ہو کر حرام قرار دیا، اور جسے بعد کو آسمانی روح کا پیغام سمجھا گیا! مگر اصلیت یہ ہے کہ جب ہم عقلی حیثیت سے یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ انسان فطرت کا فرزند ہے اور قانون قدرت تمام کمزور طاقتوں کو قوی تر طاقتوں کا محکوم بنائے ہوئے ہے تو پھر ہمیں بہت درجہ مخلوق کو اپنے کام میں لانے کا حق حاصل ہو جاتا ہے! بڑی مشکل تو یہ ہے کہ رحم کے مسئلہ کا سمجھنا ہماری زندگی کیلئے جس قدر اہم ہے، اُسی قدر نازک بھی — اسلئے کہ انسان ہر بات کو صحیح روشنی میں عموماً نہیں دیکھتا!

مسئلہ رحم

مثلاً دیگر مسائل کے اس مسئلہ پر بھی دو چیزوں سے نظر ڈالی جاسکتی ہے :-  
(۱) محض جذباتی - اور اس لفظہ نظر کو خواہ شخصی حیثیت سے کوئی اعلیٰ مقام دیدیا جائے مگر اجتماعی اور عملی زندگی کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ سوشل حیثیت

سے ہمارا یہ طرز عمل عموماً مضرت رسال ثابت ہوا ہے۔

(۲) عقلی حیثیت سے اولاً تو اس جذبہ کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے، اور اگر اُسے قدرت کا ایک قانون مان لیا جائے کہ اس طرح اجتماعی زندگی میں امن و امان ملتا ہے۔ تو پھر ہمیں یہ غور کرنا پڑے گا کہ کسی خاص معاملہ میں ہم کتنا اجتماعی حیثیت سے کیا نتائج پیدا کر سکیں؟ اور اخلاقی نقطہ نظر سے اسکی کیا شان ہے؟ چنانچہ اگر کسی معاملہ میں اجتماعی حیثیت سے رحم کوئی مضرت لاتا ہے، تو وہ کسی طرح جائز نہیں، البتہ کہ ہمدردی کا اسی کو کہتے ہیں، اور یہی وہ قانون ہے جس کے تحت میں تمام قوی تر ہستیوں کی بقا، ضعیف تر ہستیوں کی فدا میں مضمر ہے! لیکن بعض لوگوں نے اس نازک جذبہ (رحم) کو نہیں سمجھا۔ اور اس طرح انہوں نے اپنے کو غطرہ میں ڈال دیا ہے۔ خصوصاً جب یہ غلط فہمی کسی قوم (اہل ہند) میں عملی حیثیت سے پھیل جاتی ہے، تو اُس کے خیالات بھی کمزور ہو جاتے ہیں اور اس طرح اسکی شجاعت ختم ہو جاتی ہے۔ اور آخر کار دوسری خونخوار قومیں حملہ آور ہو کر اُسے اپنا محکوم بنا لیتی ہیں! مگر یہ بوسیدہ خیال نہیں کسی طرح قبول نہیں کر سکتا کہ مھن گوشت خوری کا ترک بزدلی کا پابان ہے۔ یا گوشت نہ کھانے والی قوم مھن اسی عمل کی بنا پر محکوم بن جاتی ہے! — اسلئے کہ پوشے مشکوئیت کی جان ہے، وہ عدم تنظیم ہے۔ اور فقط عدم تنظیم۔ جس کے خلاف صورت میں کوئی قوم کبھی مغلوب نہیں بن سکتی! البتہ میں جس اصول پر گوشت خوری کی تائید کر رہا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ جب گوشت بھی ہماری دیگر غذاؤں میں سے ایک ہے تو پھر بغیر کسی خاص قوت کے ہمیں اُسے ترک کر دینا کیا معنی رکھتا ہے؟

مسئلہ حلال و حرام

آسمانی مذاہب میں ایک حلال و حرام کا بھی تقبیہ ہے۔ جسے اسلامی مکملین



نے مغالطوں کی مدد سے بہت اہمیت دے رکھی ہے، مگر میری سمجھ میں بجز اس  
 اور کچھ نہیں آتا کہ شاید اسلامی پیرائش سے قبل یہودیوں میں حلال و حرام کا  
 ایک مسئلہ چلا آ رہا تھا، جو تورات میں غالباً اس زمانہ کے دیگر قدیم مذہبی روایات  
 سے سوئزات زمانہ کے درجہ پر یا ہو گا۔ اور یہ ایک قدرتی قانون ہے، کہ ہر کسبت و تہ  
 تمدن اپنے سے اعلیٰ تمدن کی تقلید کرتا ہے۔ چنانچہ اسی کوثر نے بانی اسلام کو بھی  
 اپنے سے اعلیٰ پیداوار (یہودیت) کی تقلید پر مجبور کیا۔ اور اس طرح یہ حلال و حرام  
 جانوروں کی تقسیم کو رانہ حیثیت سے جزو اسلام بن گئی! اور یہی وجہ ہے کہ اگر کائنات کے معیار پر اس اصول کو جانچا جاتا ہے۔ تو اس کی حیثیت

۱۔ یہ ایک قانون قدرت ہے کہ ہمیشہ ہر ادنیٰ قوم اپنے سے اعلیٰ قوم کی کورانہ تقلید کرتی  
 ہے۔ جس کی مثال میں آج ہم اپنے ملک کو یورپ کی تقلید کے باب میں پیش کر سکتے  
 ہیں۔

بات یہ ہو کہ ہر بانی مذہب مثل دیگر رہنماؤں کے اپنے دورِ ماضی و حال سے استفادہ  
 کرتے رہے۔ اور اسی بنا پر محمدؐ نے یہودیت سے استفادہ کیا۔ چنانچہ اکثر تورات کے مسائل  
 و روایات اپنی اصلی شان میں قرآن میں شامل ہو گئے اور اسلامی تمدن نے بھی بہت کچھ  
 یہودی تمدن کی کورانہ تقلید کی۔ مثال کے طور پر ہم ختنہ اور قربانی کو پیش کر سکتے ہیں۔۔۔  
 قدیم اقوام تہرانی میں خون کو دیوتاؤں کا حق مانتی تھیں، اور انہیں سوئزات کے  
 تخت میں ذبح کا طریقہ یہودیوں میں آیا۔ اور پھر تورات سے قرآن میں داخل  
 ہوا۔ بات یہ ہے کہ ہر تمدن میں بہت سی باتیں روایات و رسوم کی شکل میں خیروں کے پیرا  
 سے آجاتی ہیں۔ اور پھر کثرتِ عمل سے ان کی عادت پر کسی کی نظر نہیں جاتی، بلکہ وہ اس  
 تمدن کے مسلمات میں سے بن جاتی ہیں۔

بھی ایک حصہ کی رہ جاتی ہے۔ اسلئے کہ بہت سے حلال جانوروں .... کا گوشت طبی اصول پر مصروفیت ہے، اسی طرح بہت سے حرام جانور گوشت غوری کیلئے طبی اصول پر منع و بخش بھی ہیں!

اور اگر ہم علم الحیات پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو یہ دعویٰ بھی ہم باسانی کر سکتے ہیں کہ تمام حیوانات کے ساتھ قانون ارتقاء کے مطابق نفسیاتی و جسمانی انقلاب جاری ہے چنانچہ کوئی حیوان بھی آج ایسا نہیں، جوں مثلاً دس ہزار برس کے بعد اپنی نفسیاتی و جسمانی شکل نہ تبدیل کر دے! پھر ہمارے "اصول فقہ" کہاں جائیگا؟ — جس کے تحت میں یہ حلال و حرام کا قانون بنایا گیا ہے! مگر اس کا جواب شاید ہمارے علماء و دینی یہ دیں گے کہ بھائی! دنیا میں دہشت اور مگر اسی کا سیلاب آ رہا ہے، کیا تمہیں یہ یقین بھی ہے کہ ہمارا یہ مذہب حق اسے خصوصاً تک دنیا میں پھرنے کا اور بھائی ہم تو قیامت کے منتظر بیٹھے ہیں!

بہر حال یہ بحث ایک ماہر علم الحیات ہی پورے طور پر کر سکتا ہے ہم اس مقام پر لطیفہ کے طور پر ایک بات اور بھی کہنا چاہتے ہیں کہ اس سوال کا جواب یعنی مرغی اور انڈا دونوں میں سے پہلے کس کا وجود ہوا؟ بھی اسی مسئلہ کے حل میں مصروف ہے۔۔۔ نہ تو مرغی پہلے تھی اور نہ انڈا۔ بلکہ یہ حیوانات کے مختلف نسلی اور جسمانی (مادی) تغیرات کا ایک منظر ہے۔۔۔ جسے آج مرغی کہتے ہیں مناسکت۔

بہت سی بھی جگہ پڑاؤ ہیں اسے ایک مسئلہ مناسکت بھی ہے! میری سوجھ میں نہیں آتا کہ ان چند مخصوص جملوں (جنہیں آٹا ہمہ وقت اس خاص کام کیلئے حفظ رکھتے ہیں) کو دہرائے بغیر نظام معاشرت کیوں ناقص رہتا ہے؟ شاید اس کا جواب ایسا ہی مذہب یہ دیں گے کہ ہر مذہب ایک مستقل تمدن ہے، جو

ضروریات زندگی کیلئے اپنے خاص قوانین و احکام بھی لائے ہیں، تو ایسی صورت میں میرا جواب یہ ہے کہ جب دورِ حاضرہ علم و عقل کا پاس بان ہے، تو ”سول میرج“ سے زیادہ آسان، روشن اور ارتقائی صورت اس مسئلہ کی اور کیا ہو سکتی ہے؟ افسوس! اس دہم نے بھی آج انسانی ذہن کے فطری ارتقا کو صدمہ پہنچا دیا ہے اور اسکی قدرتی پرواز کو روک دیا ہے۔

### عبادت

عبادت کا مسئلہ بھی اسی قسم کا ایک ”دہم“ ہے، کیا اللہ والوں کا اپنے معبود کے ساتھ یہی عقیدہ ہے کہ وہ اپنے بندہ کے رسم و رواج کا محتاج ہے؟ اور بغیر اپنی بندہ کو کسی لباس پہنائے ہوئے، وہ اسکی حالت سے آگاہ نہیں ہو سکتا؟ اور کیا بندہ بھی محض خاموش فکر و دلی خیال کے ذریعہ سے اپنے معبود کی طرف متوجہ ہو سکتا؟ لیکن اسے اگر ایک ”رسم“ مان لیا جائے، جس کے ذریعہ سے ایک عامی کو عمل کرنے میں آسانی ہوتی ہے تو بھی دورِ حاضرہ میں ارتقائی قانون کو پیش نظر رکھکر اس میں ترمیم کرنی چاہیئے تھی، تاکہ ذہن کی فطری پرواز کہیں رُک نہ جائے! مختصر یہ ہے کہ اسی قسم کی بہت سی مذہبی پابندیاں ہیں، جو دماغ کو اپنے فطری ارتقا پر کام کرنے کی اجازت نہیں دیتیں، اور اس طرح ایک مذہبی آدمی کی نگاہ میں دنیا ایک ”پچانتی کھروندا“ معلوم ہوتی ہے، جسے پہیلیوں کی طرح حل کیا جانا ہے۔ اور ان بڑے بڑے فلسفیانہ نکات اور گہرے مسائل کو (جنہیں) یا تو صحیح طور پر سمجھا جائے۔ ورنہ انہیں ماتھے پر نہ لگایا جائے) مغالطہ کی مدد سے اس قدر غلطیوں سے لگا دیجاتی ہے، کہ پھر دماغ میں ان کو صحیح روشنی میں سوچنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی! پھر ایسی صورت میں ”انسان“ میں فطرت کے بلند اور مثالی مفاد پر کیا کام چلوئے گا؟ ہو سکتے ہیں؟ اور علم و عقل کی حقیقی کیفیت

کیونکہ پیدا ہو سکتی ہے ؟ خصوصاً ایسی حالت میں جب ساری قوم اس دباؤ میں مبتلا ہو جائے ، تو اسکی ارتقا کرکنا تک قدرتی طور پر ہو سکتی ہے ۔

## ساتویں فصل گناہ

گناہ کیا ہے ؟ اس کا جواب چند باتوں کے حل پر مبنی ہے ، جن میں سے پہلی شے مسئلہ جبر و اختیار ہے ، اور اسلئے ہمارے لئے لازمی ہے کہ پہلے ہم جبر و اختیار پر ایک اجمالی بحث کریں ۔

### جبر و اختیار

انسانی اعمال کو سطحی نگاہ سے دیکھنے والے یہ دعویٰ باستانی کر دیتے ہیں ، کہ انسان خود مختار ہے ، اور اپنے نیک و بد افعال کا وہ خود ذمہ دار ہے ، لیکن ایک محدود طبقہ ، اسرار کائنات کا گہری نظر سے مطالعہ کرنا جس کا شکار ہے ، اس راز کو باستانی پالیتا ہے کہ خوب دزشت ہمارے اختیار میں کچھ بھی نہیں ، اور جسے ہم ”تدبیر“ کے نام سے پکارتے ہیں وہ بھی دراصل ”تقدیر“ کا ایک کم گشتہ نام ہے ، اور اسکی ایک نقاب پوش صورت ہے ۔ اور ان کی قسمت تو تاریک ماضی (خاندان) اور بڑے اسرار حال (ماحول) کے اندر چھپی ہے ! — بچہ اپنے ماں باپ کے نفسیات ، ملکی آب و ہوا اور تاریخی و تمدنی موثرات کا منظر ہوتا ہے ۔ پھر اپنی عمر کے ساتھ اُس پر اسکی تعلیم و تربیت ، سوسائٹی اور اس کے بڑوں کے اقتصادی حالات کا بھی رنگ پڑھتا ہے ، اور مشہور ”بھی اُسے اپنے ہی ماحول

کے اندر آتا ہے۔ جس فضا کا وہ صحیح معنوں میں فرزند ہوتا ہے! — غرض کہ  
تولد اور موت دونوں اس کے اختیار میں نہیں۔ اور انسان مجبور محض ہے

کیا مسئلہ حیر کیلئے کسی آسمانی طاقت (خدا) کا ماننا ضروری ہے؟  
مجھے یہ شک نہ ہوا کہ بعض لوگ محض اس مسئلہ (جبر) سے خدا کے  
وجود کی ایک دلیل گڑھ لیتے ہیں۔ اور اس کی ہمت یہ ہے کہ مذہبی مانگوں میں خدا  
اور اختیار یہ دو مترادف الفاظ سمجھے جاتے ہیں۔ اسلئے جبر کا سہرا بھی وہ  
اسی کے سر چڑھا دیتے ہیں۔ دراصل کیا کہ اگر ہم ماوہ محض یا فطرت کل کے  
قابل ہو جائیں۔ تو مسئلہ جبر پر ہماری دلیل زیادہ محکم ہو جاتی ہے! اسلئے کہ  
انسان اسی فطرت کا ایک مظہر ہے۔ اور وہ قوانین فطرت پر غیر شاعرانہ اور  
غیر ارادی طور پر کاربند ہو، ہم یہ کب کہتے ہیں کہ انسان فطرت کا موجد یا  
خالق بھی ہے؟  
گناہ و ثواب

لہذا عذاب و ثواب کو بھی ہم اس سے زائد اہمیت نہیں دے سکتے کہ وہ  
افعال جو حیات انسانی کے لئے کسی نوعیت سے بھی مضرت رسال ہیں، پس  
اس ایک اعتبار سے ان پر عمل پیرا ہونا عذاب یا گناہ ہے اور بعینہ وہ افعال جو  
حیات انسانی کیلئے مفاد بخش ہیں، اسی ایک حیثیت سے ان پر کاربند ہونا ثواب  
ہے۔ ابتداً بغیر کسی خاص علت کے نہ رکھا لینا گناہ ہے اور حالت مرض میں دوا  
استعمال کرنا ثواب! — اسلئے کہ تمام گناہ و ثواب کا تعین عملی نتائج کے  
اعتبار پر ہو سکتا ہے! اور یہی وجہ ہے کہ تقریباً تمام افعال ایسے ہی نکلیں گے  
جو مختلف زمانوں اور مختلف قوموں میں مختلف حیثیتیں رکھتے چلے آتے ہیں اور پھر

ایک ہی قوم میں ذلت اور ضرورت کی بنا پر ان افعال کی حیثیت بدلتی رہتی ہیں، چنانچہ ہم غداً ب وثاب کا کوئی اصلی حیار نہیں بنا سکتے۔ اس لئے کہ ہم نہ ہی ذہنیت کی طرح چند سادگی احکام کو فرض نہیں کرتے، اگر اس طرح غلط طریقہ پر دل کو سکین دے دیں!

دنیا میں خوب و زشت کا وجود نہیں۔

چنانچہ کائنات کے متعلق بھی ہمیں کسی قسم کا اچھا یا برا خیال قائم کرنے کا حق نہیں ہے! اس لئے کہ خوب و زشت کا دائرہ زیادہ سے زیادہ انسانی فطرت اور انسانی زندگی تک محدود کیا جاسکتا ہے۔ اور وہ انسانی دائرہ ہے، جسے اپنے حیاتی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر آشیاء عالم کو بھی دو حصوں، ایک بے اور ایک میں تقسیم کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر تاج انسانی زندگی میں محین ہے، اس لئے مفید ہے اور ہر انسانی زندگی کو فائدہ کرتا ہے۔ اس لئے مضر ہے۔ مگر لطف یہ ہے کہ اس کا موقع اور استعمال اس کلیہ کو بھی توڑ دیتا ہے! اور یہ تعینات بھی سنگامی، ملکی اور قومی مذاق کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں! اس لئے کائنات کی تعریف بجز اس کے اور کیا ہو سکتی ہے، کہ وہ مختلف کیفیات اور تعینات کا ایک مندرجہ ہے، جہاں ازل وابد الفاظ بے معنی کی حیثیت رکھتے ہیں!

لہذا اگر کائنات میں انسان کے ماسوا کوئی دوسری مخلوق نہ ہوتی۔ تو بھی حیات انسانی کو معیار قرار دیکر ہم آشیاء عالم پر نیک و بد کی کلی حیثیت سے تقسیم کر سکتے! مگر لطف تو یہ ہے کہ جب ہم تمام آشیاء عالم اپنے خصوصیات میں مختلف چلے آتے ہیں۔ بعینہ تمام مخلوقات بھی تعیناتی، جہاں فی حیثیت سے مختلف ہیں۔ بشیئہ نہ پر ملی بد بودار اور بد ذائقہ چیزیں جو حیات انسانی کیلئے پیام مرگ ہیں۔ ان کے اندر بھی ایک قسم کی مخلوق درجہ انہیم وغیرہ نشوونما پاتی ہے۔ چنانچہ کائنات میں مخلوقات کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں (۱) وہ مخلوق جو محض ہوائی ہضنا میں پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کی زندگی اسی ہضنا تک محدود ہے (۲) وہ مخلوق جو محض زمین کے

# انھویں فصل

## عقلی حیثیت سے پیشوایانِ دینی کا مقام

اگرچہ مذہبی پیشواؤں (مثلاً محمدؐ عیسیٰؑ، کرشن اور گوتم وغیرہ) میں بھی ہر ذہنیت کے لوگ ہوتے ہیں، اسی لیے بھی اور بُرے بھی! پر غلوں میں بھی اور خود غرضی بھی، لیکن عقیدت نے آج ان سب کی اصیت کو چھپا دیا ہے۔ اور ان کے جوہرے آج ہمارے ساتھ ہیں، ان کی حقیقت بالکل مختلف تھی!

بات یہ ہے کہ ذہنیت عوام کسی معاملہ میں کبھی صدا اعتدال پر نہیں ٹھرتی! چنانچہ یہی سلوک ان افراد کے ساتھ بھی اُس کا ہمیشہ رہا ہے۔ وہ یا تو کسی ذات کی اپنی نگاہ میں اہمیت ہی نہیں دیتی اور اگر اس کی نگاہ میں کسی ذات کا کوئی مقام ہو گیا۔ تو بس اُسی کا نام "دیوتا" اور "پا پتھر" ہو جاتا ہے! یہ ناممکن امر ہے کہ جماعت کسی شخص کی طرف توجہ کرے اور پھر بھی اُسے "فوق البشر" نہ بنا دے!

البتہ دہائیہ ص ۳۲، اندر رہتی ہے، اور اُس نے روشنی دیکھی ہی نہیں (۳)، وہ مخلوق جو محض سطح زمین پر رہتی ہے (۴)، وہ مخلوق جو پانی میں رہتی ہے اور اُسے روشن اور تاریک دونوں حصوں میں آب سے تعلق ہے (۵)، وہ مخلوق جو محض دریا کی نہ میں رہتی ہے (۶)، وہ مخلوق جو محض پانی کی تانیک نفا میں رہتی ہے۔ اور جسے نہ تو سطح زمین سے تعلق ہے اور نہ سطح آب سے! چنانچہ ان صورتوں میں کوئی مخلوق کیا دوسری مخلوق کا نفسیاتی اور حیاتی علم رکھ سکتی ہے! پھر وہ مخلوق جو مختلف سیاروں میں رہتی ہے اس کے تعلق تو کسی قسم کی بحث بھی محال ہے!

اسلئے ایسی نازک حالت میں جبکہ تمام پیشوایانِ دینی اپنے چروں پر تقاضا میں قفلے ہوئے ہمارے سامنے فسانوں کے ہیرو بنے کھڑے ہیں۔ تو پھر ہم بھلا کیونکر نہ عقلی نقطہ نظر سے اُن کے متعلق نیک و بد کسی قسم کی رائے زنی کرنے سے گریز کریں؟ اسلئے کہ اگر ہم ان کے متعلق نیک خیال قائم کرتے ہیں۔ تو یقیناً وہ ذہنیتِ عوام کا اتباع ہو جائیگا! اور عقلی حیثیت سے ہمارے امکان میں کوئی صحیح و وسیلہ اپنی رائے کی تصدیق کا نہیں ہے (جیسا کہ مذکورہ بالہ ہے) اور اگر ہم خیال بد قائم کرتے ہیں تو اس امر کے واقعہ سے خلاف ہونے کا اندیشہ ہے۔ (جس سے اور قسم کے عقلی و ذہنی نقصان پہنچینگے) اس لئے کہ ان کی صحیح ذہنیت اور اصلی زندگی ہمارے سامنے نہیں ہے!

دیکھو! مثلاً علی کو شیعہ، محمد کو سُنی اور رام یا کرشن کو ہندو کیسے کیسے فسانوں کا ہیرو بناتے ہیں۔ کبھی تو انہیں آسمان پر بجاتے ہیں اور کبھی جنوں سے لڑا دیتے ہیں، اور یہی زبوں حالت دیگر رہنمایانِ دینی مثلاً گوتم وغیرہ کی ان کے پیروں کے ہاتھوں نگہی ہے! اسلئے اگر ہم کو اپنی ذہنیت، توہمات سے پاک رکھتی ہے، تو ان زبردست کاداسن ہمیں چھوڑنا پڑے گا!!

## نویں فصل

### ذہنیت گرد پیش کا اثر کیونکر قبول کرتی ہے؟

موردِ ثنی، قومی اور ملکی موثراتِ ذہن انسانی کے ساتھ بہت گہرا تعلق رکھتی ہیں — اور اگرچہ تربیت کا مرتبہ رسمی تعلیم سے انضال ہے، لیکن یہ موثرات تربیت کو



زائد جسم نتائج پیدا کرتے ہیں!

چنانچہ ہم اپنی گزشتہ تصنیف پیام جاوید کا ایک اقتباس اس سلسلہ پر روشنی ڈالتے کیلئے پیش کرتے ہیں جس میں ہم نے اس نکتہ پر اجمالی بحث کی ہے۔ کہ مذہب گرو و پیش کے اثر سے دماغ میں کیونکر سرایت کرتے ہیں۔ اشخاص کے خیالات اکثر اپنے رجحان طبعی کے موافق ہوتے ہیں، ان کے تحقیقات اور بیانات اپنی تعلیم اور دوسروں سے ماخوذ رایوں کے مطابق، لیکن ان کے افعال و اطوار تمام تر اپنے رسم و رواج کے مطابق ہوتے ہیں۔ یہ سچے حکیم مکن کے الفاظ اور حقیقتاً یہ وہ کلیہ ہے جن سے نجات پانا اگر محال نہیں تو دشوار ضرور ہے!

انسان کے دماغی کیفیات و حسزوں میں آسانی تقسیم کئے جاسکتے ہیں، اولاً عقل و ادراک والی کیفیت ثانیاً کیفیت متاع و احساس! چنانچہ تحقیق جس قوت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ وہ اول الذکر کیفیت دماغی ہے جس کے متعلق مکن کہہ گیا ہے کہ یہ وہ قوت ہے جو تعلیم اور دوسروں سے ماخوذ رایوں سے متاثر ہوتی ہے۔

چنانچہ یہی وجہ ہوتی ہے کہ کوئی محقق جب فصائے تحقیق پر نظر دوڑا تب سے تو اسے سب سے پہلے ان پر دوس کے اٹھانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ جنہوں نے آہستہ آہستہ اس کی کیفیت نفسی میں کچھ اس طرح گھر کر لیا ہے کہ اب وہ جزو کیفیات بنکر رہ گئے ہیں!

یہ تمدن کا وہ باریک مسئلہ ہے جس کے موثرات سے آزاد رہنے کا ہمارے پاس کوئی سہل محسول وسیلہ نہیں ہے، اور یہی شے ہماری تحقیق کی راہ میں اصل رکاوٹ ہے! چنانچہ بڑے سے بڑا فلسفی کیوں نہ ہو! مگر تحقیق کی راہ میں

سب سے پہلے اسکی نظر جس شے کے اوپر پڑتی ہے، وہ کیا ہے؟ اس کا اہمائی مذہب، ملکی رسوم و قیود اور ذاتی اطوار ہیں۔ وہ سب سے پہلے اس شے میں مبتلا ہوتا ہے کہ اس کا دین یا اس کے رسوم و غیرہ ناقص ہیں بھی یا نہیں؟ اس تحقیق کے دوران میں جو اہم ترین شے اس کی ناکامی کا قوی باعث ہوتی ہے، وہ مذکورہ دماغی کیفیات کی ثنائی الذکر حالت ہے! یعنی اس کے احساس بھی اس کی قدرتِ ادراک کے ساتھ کچھ اس طرح مخلوط ہو جاتے ہیں کہ وہ آہستہ آہستہ ایک وقت میں جزوِ دلیل بن جاتے ہیں۔ اور یہ نیز کرنا بھی دشوار گزار ہو جاتا ہے کہ وہ احساس میں بھی یا اجزاءِ دلیل؟

چنانچہ یہی شکلیں ہمدی تحقیق میں سدوہ ہو جاتی ہیں۔ اور یہی باعث تھا کہ دماغی طاقت میں ہم پدم ہونے کے باوجود محقق طوسی شیعہ بڑے سکور ہندو جدید کے مشرور شاعر اور فلسفی ہندو ہیں! یہی اسباب تھے کہ سیکن کے کانوں میں عیسائیت کے نئے گونجتے رہے اور غزالی کی نظروں میں اسلام کا پھریرا لہرا گیا۔ اور یہ وہ موثرات ہیں، جن سے محفوظ رہنا انسان کی طاقتوں سے باہر ہے!

اپنے ماحول سے متاثر ہو جانے کا یہ باعث ہوتا ہے کہ کوئی آزاد خیال ہستی اگر مذہب سے برگشتہ ہو کر دوبارہ مذہب کا دامن پکڑتی ہے، تو اسے انتخاب کے وقت اپنا دیرینہ مذہب مناسب معلوم ہوتا ہے! اور یہی وجہ ہے کہ بڑی سے بڑی روشن خیال عقلیں، جو دنیا کے دیگر معاملات میں نہایت نکتہ رس ثابت ہوتی ہیں، مگر مذہبی امور کے حل کرتے ہیں وہ بھی بالکل ناکام رہتی ہیں۔ وجہ کیا مذکورہ بالا ہے؟ — وہ روشن اور کھلے ہوئے مغالطہ جنہیں مذہب کا شیرازہ کہنا ہے۔ ان پر طرح طرح کی رنگ آمیزی کی جاتی ہے۔ اور انہیں تادیبوں کے ذریعہ سے طرح طرح کا لباس پہنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ جن کی مضرت پہلے سے زائد بڑھ

جاتی ہے۔ اور وہ تمام علم اربز کا دت جو اس عمل میں صرف ہوتی ہے۔ ضائع جاتی ہے !

غرض کہ جس طرح ملک کی آب دہوا انسان کے ذہن کو دپ، قد و قامت اور دماغی حالات میں نہایت طاقت کے ساتھ دخل رکھتی ہے۔ اسی طرح مذہب بھی ماحول کے ذریعہ غیر شعوری حیثیت سے اپنا کام کئے جاتا ہے اور دماغ کو اپنے سلچے میں ڈھال لیتا ہے، اور اگرچہ موثرات قومی کا آہستہ آہستہ موثرات مذہبی پر غالب آنا ضروری ہے۔ پھر بھی قومیت و مذہب کی کشمکش میں ذرا دیر لگتی ہے۔ اور اس وقفہ میں قوم کی روح زخمی ہو جاتی ہے !

ضمیمہ  
ہم جملہ معترضہ کی طرح اس مقام پر ضمیر (conscience) کی حقیقت بھی کھولے دیتے ہیں۔ اور یہ بتائے دیتے ہیں کہ وہ بھی انہی موردنی اور گرد و پیش کے موثرات کا نتیجہ ہے۔ جو دماغ میں ایک غیر شعوری کیفیت کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ اور اسلئے اسکی حقیقت آسانی سے نہیں کھلتی !

## دسویں فصل

### بدھ مت پر نقد و تبصرہ

تقریباً تین سال کا عرصہ ہوا کہ بدھ مت کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنے کا مجھے اتفاق ہوا تھا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ گوتم نے اپنی شخصیت کو مجھے اسقدر متاثر کر لیا تھا کہ اگر مذہب کی میری نگاہ میں کوئی اہمیت ہوتی تو

میں یقیناً بدتمسک تھا۔ مگر ہر شے پر علمی حیثیت سے اُحد و تنہو کرنا، مدت و اپنا  
شائبہ بن گیا ہے اسلئے گوتم کا مقام میں سیری نگاہ میں ایک بلند ایڈیل سے  
زائد نہ ہوا۔

چنانچہ ناظرین کی عنایت ملح کے لئے اب میں اپنا وہ مضمون بلا کسی بھروسہ  
ترمیم کے پیش نظر کرتا ہوں۔ لیکن ان الفاظ کے ساتھ کہ گوتم کا فلسفہ  
زندگی بھی مثل دیگر فلسفیوں کے ہر مقام اور ہر زمانہ میں قابل عمل نہیں بلکہ  
وہ ایک لوری سے جو تھکی ماندی قوم کو بھجان کے دقت دنیا معارف بخش ہو  
لیکن اس روح کا کسی قوم میں متقل حیثیت سے قیام اس کے لئے نادرال  
کا پیام لائے ہے! اور خواہ یہ ایڈیل شخصی حیثیت سے قابل مدح ہو یا مگر اجتماعی  
حیثیت سے ہمیشہ مفاد بخش نہیں ہے! بات یہ ہے کہ رحم و ایشاریہ و ایسے  
جذبے ہیں جو دلوں کو گھلا دیتے ہیں مگر یہ ضروری نہیں کہ جو بات دل خوش کرے  
ہو۔ وہ ہمیشہ نتیجہ خیز بھی ہو!

لیکن پھر بھی دعوئے کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ "امیات" سے مختلف اور منفرد  
فلسفہ بھی جو قوم میں سرست جوش یا روح عمل پیدا کرتا ہو مستقل حیثیت سے نادرال  
نہیں ہے۔ بلکہ اس طرح قوم میں قیوتش پھیل جائیگا اور اسکی علمی و ادبی ترقیوں کا  
مدباب ہو جائیگا! اسی لئے نیٹے کے متفق کہا جاتا ہے کہ اس جنگ عظیم کا  
باعث اسی کا جذبات انگیز فلسفہ بنا تھا۔ البتہ دونوں فلسفوں میں تسلسل و اتنا  
ہے کہ اول الذکر کمال تہذیب و تمدن کی پیداوار ہے اور ثانی الذکر آغاز تہذیب  
تمدن کی روح!

اگرچہ مضمون میرے خیالات حاضرہ کی ترجمانی نہیں کرتا (جیسا کہ بیان  
ہو چکا) تاہم اس کو پیش کرنے سے مجھے صدف دکھانا ہے کہ جس قدر

بھی مذاہب ایجنٹک خصوصاً ایشیا میں رواج پا چکے ہیں، ان سب میں اگر کوئی مذہب ادوام سے پاک ہے۔ تو وہ بڑی حد تک گوتم کی تبلیغ کی جاسکتی ہے، اور اگرچہ اجتماعی حیثیت سے وہ دور حاضری میں قابل عمل نہیں ہے۔ تاہم مروجہ ہندومت سے کسی طرح کم تر بھی نہیں، چنانچہ ہندومت کے سخیوں کے ذریعہ سے اس اعلیٰ مذہب کے خلاف جو کچھ ظور پذیر ہوا، وہ بس قوم کے انتہائی ادبار کا ثبوت ہے!

”میں عرصہ سے مذہب کے رسم و رواج اور اس کی کورانہ اطاعت سے آزاد تھا میرے خیال میں ایک مذہبی ریفارمر کا کام محض عوام الناس کو اپنی ملکی، قومی اور ہنگامی موثرات کی معتدل سطح پر لانا ہوتا ہے۔ البتہ دنیا میں دو شخص ایک ل دماغ کے ہونا ممکنات سے ہو، اس لئے ان کے اعمال و اقوال کے جادے بھی مختلف ہو جاتے ہیں، لیکن نیک نیتی اور خلوص جس کے بغیر کوئی تبلیغ ہند آہنگی کے ساتھ اشاعت پذیر نہیں ہو سکتی تقریباً سب کا شعار رہا ہے!

لیکن عوام الناس کی ذہنیت بالکل سطحی ہوتی ہے۔ اس لئے ان مذہبی ریفارمرز کو بھی سطحی اور ظاہر سمری عمل و اسباب سے ہمیشہ تعلق رہا ہے! اور زیادہ غور و خوض کرنے سے ان عمل و اسباب کی بے بضاعتی کا احساس ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ غور و فکر سے کام لینے والے عموماً ان مذہبی قیود سے آزاد رہتے ہیں!

چنانچہ درویش مجازی، اگرچہ محقق نہیں، مگر غور و فکر کا عاشق ضرور ہے۔ یا کم از کم کورانہ اطاعت سے تمام تر نالال! اور اس قسم کی بھیڑ یا دھماں جاعتوں سے گریزاں! مذہبی قیود کی آہنی زنجیروں کو مدت ہوئی مستقل وسائل سے توڑ چکا ہے۔ پھر بھی پیشوا یاں دینی عام اس سے کہ وہ کسی قوم و ملت کے ہوں، کے جائز حقوق کی پردہ پوشی کرنا مذہب عقل کا سب سے بڑا گناہ جانتا ہے!

البتہ ان جائز حقوق کا میاں اس کی نگاہ میں ذرا بلند ہے، وہ اس قسم کے جائز حقوق کا ذائقہ نہیں۔ جو عوام الناس کے دماغ کا فیصلہ ہوتے ہیں۔۔۔ عوام الناس کی ستم ظریفی دلچسپی سے خالی نہیں۔ اپنے پیشواؤں کو عجیب اظہار بنا دینا اس کی نگاہ میں ان کی جائز خدمت اور مناسب معاوضہ ہی! لیکن شاید اس سے اس کی خبر نہیں، کہ اس طرح وہ اپنے رہنماؤں کے حق میں کلٹے بولتی ہے، اور ان کے اصلی چہرے دنیا کے سامنے نہیں پیش کرتی۔ تاکہ دنیا ان سے مستفید ہو سکے اس لئے کہ ان کے اصلی چہرے بھی تو عام انسانوں کے چہرے نہیں ہوتے، وہ تو خود اپنے ساتھ نقوش اور مناسبت لیکر آتے ہیں۔ مگر عوام الناس کے ہاتھوں یہ چہرے کسی غیر جنس مخلوق کے چہرے بن جاتے ہیں۔ پھر ظاہر ہے کہ غیر جنس کے ساتھ جائز رابطہ اتحاد و کون پیدا کر سکتا ہے!

اگرچہ اس قسم کے طرز عمل کا بیشتر حصہ عوام ہی کے دماغ کا کاسہ ہے مگر ان ستم ظریفیوں کے ذمہ دار بعض۔۔۔ پیشوا بھی ہوئے ہیں۔ وحی، معجزہ اور امام وغیرہ کے متعلق ایک روشن ضمیر اور نیک نیت نقاد کیا رائے لے کر کیا کر سکتا ہے؟ میرے خیال میں اس قسم کے رہنما محض عوام ہی کیلئے مصفرت رسال نہیں ہوتے۔ بلکہ خود اپنے لئے بھی مصیبت کا پیام لاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ وقتی طور پر اس قسم کی شیعہ بازی ان کی کامیابی میں ہونے میں پیدا کر دیتی ہے۔ مگر آخر کار روشن خیال طبقہ کی نظریں ان کی کوئی وقعت نہیں رہ جاتی، اور کمزور ذہنیت والے عوام کو جو کچھ نقصان پہنچ جاتا ہے وہ بیان سے باہر ہے! ان کی کمزور ذہنیتوں کو بجائے اصلاح پذیری کے گمراہی کا سبق ملتا ہی! لیکن افسوس تو یہ ہے کہ محض عوام ہی نہیں بلکہ بڑی حد تک خواص بھی اس خسارہ کے حصہ دار بن جاتے ہیں۔ اور ان کا دماغ بھی ضلالت و گمراہی کے غاروں میں گرتا پڑتا رہتا ہے۔ اور استدلال کو صحیح راستہ تلاش کرنے

میں صحتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہو!

اس قسم کی سیاست سے کام لینے والوں کی تعداد صفحہ ہستی پر بہت ہی کم ہے۔ ہندوستان میں جہد بھی درجہ مذاہب آج پاسے جاتے ہیں۔ اُن میں دو اہم ترین مذاہب یعنی ہندومت اور اسلام۔ ان دونوں میں مجھے مستعار کی شان بہت نظر آتی ہے۔ ممکن ہے کہ ہندومت میں یہ عنصر اُن کے مقدسین کے دماغ کا نتیجہ ہو۔ اس لئے کہ اُس کے نور ہمناد کی صحیح تاریخ کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ مگر اسلام (جو اسرائیلی اسکول آف ریجن کی ایک شاخ ہے) کے متعلق جرات سے کام لیکر ادب کے ساتھ مجھے یہ کہنا پڑتا ہے، کہ اس پر سیاست کا رنگ غالب ہے، اور اس پالیسی نے اگرچہ دفنی طور پر بائبل اسلام کو کامیاب بنا دیا مگر یہ تمام شان و شوکت ایک حقیقت کی نگاہ میں ملمع سازی سے زائد حقیقت نہیں رکھتی! اسلام نافوق الطبیعی حیثیت سے جو پیام لاتا ہے، میں اس سے بھی اتفاق نہیں کرتا، اس لئے کہ علت و معلول کا وہ اپنی قانون جس نے کمزور دماغوں کو متبدل کرنا شروع کیا ہے، اپنے ہی ذہن کی ناقص پیداوار ہے! اور اسی لئے میں اپنی ذات سے مشکک یا لاادریہ ہوں!

میرے خیال میں محض ذات باری کا عقیدہ ہی اخلاق کی تکمیل کا واحد ذریعہ ہے، بلکہ خود اپنی زندگی کو خوشگوار بنانے کیلئے بھی انسان کو اخلاق کے تمام حدود طے کرنا لازمی ہو جاتا ہے! ورنہ زندگی میں صحیح امن اور اعلیٰ سکون نصیب نہیں ہو سکتا جس کی تفصیل اس مختصر میں نامناسب ہے، البتہ اپنی جدید تصنیف ”پیام جاوید“ میں میں نے اس اہم مسئلہ پر ایک اجمالی بحث کی ہے!

لیکن یہاں اتنا کہدینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے خیال میں خود کو اور تمام کائنات کو ایک نگاہ سے دیکھنا، بس اخلاق کی تخم یزدی کیلئے کافی ہے۔ اور جس کا کمال اس خیال کی تکمیل کے ساتھ وابستہ ہے۔ جو عملی صورت اختیار کئے بغیر نہ تو رہ سکتا ہے

اور نہ نتیجہ خیز ثابت ہو سکتا ہے۔ اور اس طرح اپنے فطری قوسے کو حصول معتدل کا سبق ملتا ہے !

اگرچہ یہ سیرا ذاتی ہے، اور میں اس معاملہ میں کسی کا مقدمہ نہیں، لیکن پیشوایانِ نبی میں اسوۂ گوتم کے اور کوئی شخصیت مجھے نظر نہیں آتی جس کے مقابلہ میں میں اپنی صدا کو آوازِ بازگشت سے تعبیر کر سکوں ! میں جذبات سے نہیں بلکہ عقل سے اسکی صدا پر لبیک کہتا ہوں !

مذہبی رفیقاؤں کو کچھ بھی تبدیل ایک تحقیق پسند دماغ میں سما سکتا ہے میں گوتم کو اس کا مظہر پاتا ہوں۔ البتہ دیگر پیشوایانِ دینی اور اُن کے اخلاص کی داد بھی اُن کی حیثیتوں کے مطابق نہ دینا میرے اعتقار سے باہر ہے ! (جیسا کہ مذکورہ بالا) میں انہیں بھی زیادہ سے زیادہ ذی شرف انسان مان سکتا ہوں۔ مگر خیالی بت نہیں بنا سکتا۔ میں انہیں بھی رحم و کرم کا محبتہ دیکھ سکتا ہوں۔ مگر اچھوتی اور ڈراؤنی صورت میں تصور نہیں کر سکتا ! پھر بھی اس قدر اوصاف کا مظہر مجھے کوئی اور نظر نہیں آتا !۔

سچیدہ — متین — رچیم — نیک دل — نیک صفات — نیک خیال

سادگی پسند — سادہ کردار — سادگی شعار — !

عُرفی کے اس شعر میں مجھے گوتم کی تصویر نظر آتی ہے —

شمنشا ہے کہ بہت از غایتِ درویشی پیمت

وجودِ خود فراموشِ دغیمِ عالمِ نساوانش

عرصہ سے میں خاتمِ کارِ ستار ہوں۔ مگر محض دماغی اعتبار سے۔ یعنی ہم دونوں متشکک ہیں۔ اور تشکیل کی بلند پروازی کو بے مقصد جذبات کی ادھیڑ میں جلسۂ میں (اور یہی گوتم کہتا ہے) مگر عملی حیثیت سے میں نے ابھی تک خیاں سے متعلق کوئی صحیح فیصلہ نہیں کیا ہے ! اسلئے کہ اسکی رباعیات کے متعلق ابھی تک کوئی قابلِ اعتبار



تحقیقات نہیں ہوئے ہیں! اور اکثر باحیات عالم شک میں پڑے ہوئے ہیں! لیکن گوتم کے یہاں تضاد خیال مفقود ہے اور اسلئے میں تقریباً دو سال سے اُسکے جادوہ عمل کو اپنا رہگذر بنائے ہوئے ہوں! اسی بنا پر گوشت خوردگی میری نگاہ میں ایک گناہ نہیں۔ بلکہ ایک خلافت انسانیت عمل ہے! پھر اعتقاد اور عقیدت کی زنجیروں سے میں آزاد ہوں، میرے خیال میں ہر بلند آئیڈیل جب اعتقاد اور عقیدت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ تو اس کا مفاد کسی سیرے درجہ کے آئیڈیل سے بھی زیادہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوتا۔ اور اس وقت تمام مذاہب عالم کے فطری حقوق کیساں ہو جاتے ہیں اور عوام و خواص میں کوئی خاص بابہ الامتیاز شے نہیں رہ جاتی!

بھی وجہ ہے کہ اگرچہ میں گوتم کو تمام پیشہ اڈوں پر ترجیح دیتا ہوں مگر خود کو بدست نہیں کہتا۔ اسلئے کہ فائدہ رساں کسی مذہب کا صرف آئیڈیل ہو سکتا ہے، نہ کہ اس کا نام یا ظاہری رسوم و تقیود! میرے خیال کو خود گوتم کی زبانی سنو! "اگر تمہیں اپنی زندگی میں زردان (سکون) حاصل ہو جائے، تو میری تعلید سے آزاد ہو سکتے ہو"

جس کے تحت میں اس رسم پرستی کی زبردست منظور تھی! چنانچہ میں گوتم کو دنیا کیلئے مفید جانتا ہوں۔ مگر اس کے اخلاقیات اور فلسفہ کو، نہ کہ اس کے ڈراؤنے تخیل کو جو ایک خاص الوہیت کی رنگ آمیزی کے ساتھ اس کے پیروؤں کی تصنیف ہے!

البتہ اس مذہب میں ایک مسدود تاریخ "میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اور پھر میری سمجھ میں یہ بھی نہیں آتا، کہ جو شخص روح و خدا کے اثبات و نفی کا جواب مہر سکوت سے

ماظرین نے ایک مقام پر رحم کے ضمن میں میرے اس خیال کی تردید پائی ہوگی۔ چنانچہ اب میں اپنے اس پریمہ خیال کو خیال کی بے اعتدالیوں پر بھی شمار کرتا ہوں۔

دے۔ وہ بھلا تنازع کا قائل کیونکر ہو سکتا ہے؟ جس کیلئے روح کا ماننا ضروری ہے اور پھر اسکے تحت میں جزاء و سزا کا اقرار بھی لازمی ہو جس کے نتیجے میں کسی بالائے طاعت کا فرض کرنا بھی قطعی ہو جاتا ہے! بات یہ ہے کہ کوئی خیال خواہ وہ اپنی جگہ پر کتنا ہی درست اور محکم ہو، جب کسی قوم کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو وہ اپنی طبعی اور قومی ذہنیت کے سانچے میں اس خیال کو بھی ڈھال لیتی ہے، اور اسلئے وہ بجائے ایک فلسفیانہ مسئلہ کے محض ایک عقیدہ بنکر رہ جاتا ہے! مثال کے طور پر جس طرح گوتم کی وفات کے بعد اُسکے جتنے پیروں نے گئے، اُسی طرح اس کے اکثر خیالات بھی قومی رنگ میں رنگ لئے گئے! اور نہ مسئلہ تنازع کی تردید کیلئے تو گوتم کا وہی پہلا قول کافی ہے، جسے میں نے پر نقل کر چکا ہوں۔ ظاہر ہے کہ جو شخص اسی زندگی میں نردان حاصل ہو سکے گا قائل ہو، اسکے ذہن میں مسئلہ تنازع کی کیا صورت ہوگی؟

بہر حال میرا خیال تو یہ بھی ہے کہ اگر کسی رہنما کے آئیڈیل میں کوئی سقم پایا جائے تو اُس سے اسی طرح اختلاف کرنا چاہئے جس طرح اسکے مفید اجزاء سے اتفاق کیا جائے! اسلئے کہ دنیا کا کوئی دماغ نقص سے کامل طور پر پاک نہیں ہو سکتا اور نہ دو شخص بالکل ہم خیال ہو سکتے ہیں!

چنانچہ بیشتر حیثیتوں سے گوتم کی زندگی اور اُس کا فلسفہ قابلِ قدر ہے۔ یہ اور بات ہے کہ عوام اس کے خیالات کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اسلئے کہ وہ کور ولی اور زود عملی دونوں باتوں کا خلاف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ابھی تک اُسکے متعلق یہی نزاع چلی آ رہی ہے کہ آیا اُس کے آئیڈیل کو فلسفہ کہا جائے یا مذہب؟ اسلئے کہ اُس میں واجب الوجود کے عقیدہ کی شرکت نہیں، جو رسمی حیثیت سے مذہب کا عنصر اعلیٰ ہے! لیکن گوتم کو خواہ فلسفی کہو یا مذہبی لیٹرارمر۔ دونوں حیثیتوں سے اس کا مرتبہ بلند ہو

اگر وہ مذہبی پیشواؤں کے مرقع میں جسم و کرم کا مجسمہ نظر آتا ہے۔ تو حکماء کی بہتر میں بھی اسکے نام کے ساتھ سجدہ اور متین کا لقب شامل ہے۔  
 وہ تو نظریاتِ ہستی میں نغمہ سنجی کرتا ہوا چلا گیا۔ مگر دوسروں کے لئے محرکِ کارئی کا مرقع دیگیا۔ ان لوگوں کو جو کور نظری سے مخفی شخصیت کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں اور اس طرح دیگر راہنماؤں کے باہمی موازنہ میں دنیا کو میدانِ کارزار بنا دیتے ہیں! (۲۵ نومبر ۱۹۳۱ء)

## گیارہویں فصل

کیا بغیر مذہب کے کوئی نظام معاشرت برقرار نہیں ہو سکتا؟

یہ بھی ایک ایسا مغالطہ ہے، جو دماغوں پر مستوی ہو گیا ہے اور حامیانِ مذہب تو اس معاملہ کی نہایت بلند آہنگی کے ساتھ اشاعت کر کے اسے اپنی سپر بنا کر رہتے ہیں جس سے ان کے ذاتی اغراض پورے ہو سکیں!

بات یہ ہے کہ اس خیال کے علمبردار علم اجتماع سے بھی بے خبر ہیں اور نفسیاتِ مذہب سے بھی! مذہب کیا ہے؟ ایک غیر شعوری قانون! جسکی نشو و نما دماغِ انسانی کے تاریک خانوں میں ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ مذہب اسی وقت دُنیا میں رعایت پاتا ہے جب اقوام غیر شعوری اور تاریکی کے دور سے گزر رہے ہوں! لیکن زمانہ حاضرہ "علم عقل کا دور ہے" پھر اس دور میں ظاہر ہے کہ انسان کو اپنی روشن زندگی سے زائد دماغی علم ہے، اور آج تمدن و معاشرت، سائنس اور نظامِ سیاست وغیرہ کو وہی طاقت حاصل ہو گئی ہے۔ جو اگلے زمانہ میں آسمانی دیوتاؤں کو

نصیب تھی! ادراپ انسانی زندگی تدریک اور غیر شعوری دنیا سے نکل کر روشن عالم شعور میں آگئی ہے۔ اب انسان نے اپنی زندگی اپنے ہاتھ میں لے لی ہے، اور اس نے یہ سمجھ لیا ہے کہ مذہب دراصل ہمارے ہی ذہن ماضی کا ایک پرئوسے ہے۔ جو خود ہماری تخلیق ہے، اور ہم اپنی نادانی سے اتنے عرصے سے جس کے تخلیق بنے بیٹھے رہے اور حقیقتاً ہی وہ راز تھا، جس نے ہویدا ہو کر ذہن انسانی میں وہی مقام سائنس اور سیاست و تمدن کو دیدیا۔ جو پہلے دین و مذہب کا حق سمجھا جاتا تھا! چنانچہ ہم جگہ معترضہ کی طرح یہ بھی بتائے دیتے ہیں، کہ ادراپ مذہب کا یہ اعتراض، کہ کوئی شخص جب تک تمام مذاہب کو جاننا نہ ہو۔ یا اپنے مذہب سے واقف نہ ہو جائے، اُسے اُس کی نزدیک کا حق حاصل نہیں غلط ہے اس لئے کہ ہم تو نفسیات مذہب اور اصل مذہب سے بحث کرتے ہیں۔ اور یہ ثابت کرتے ہیں، کہ کوئی مذہب آسمانی نہیں! سب مذاہب ذہن انسانی کی پیداوار ہیں! پھر ہم کو کسی مذہب کے اصول و فروع سے کیا واسطہ؟ ممکن ہے کہ بعض مذاہب باہمی موازنہ میں اچھے برے کے جاسکیں۔ مگر ہم کو ان کی تقلید سے جب غرض ہی نہیں ہے۔ تو پھر اس نتیجہ تک پہنچنے سے کیا حاصل؟ ایسی حالت میں کہ جب ہم اپنی زندگی کا دستور اصل خود بنا سکتے ہیں! ادراپ وہ زمانہ آگیا ہے، کہ خدا کی جگہ خود اعتمادی نے لے لی ہے، ادراپ بجائے الہامی کتب — (جو ذہن انسانی کے غیر شعوری حصہ کی پیداوار ہیں) کے پڑھے جانے کے حکم اور فلاسفہ کی تصانیف زیادہ لطف کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ جن کی رواج بیدار دنیا سے تعلق رکھتی ہے، اور جو داغ کو فطری راستوں میں ترقی کرنے کی ہدایت کرتی ہیں!

ہم لطیفہ کے طور پر اس مقام پر یہ راز بھی کھولے دیتے ہیں۔ کہ عموماً

مذہبی آدمیوں کے مقابلہ میں غیر مذہبی اور عقلی آدمی جو زیادہ خلیق اور ذمہ دار انسان ثابت ہوتے ہیں۔ اس کا باعث بھی یہی ہے۔ کہ مذہبی ذہنیت پھر شعوری اور تاریک فضا میں نشوونما پانے کی بنا پر مردہ رہتی ہے، پھر اس کی بلند وصلگی، اعلیٰ ظرفی اور اقدام و ارادہ کے اعلیٰ صفات انسانی کیونکہ جلوہ گر ہو سکتے ہیں؟



# دوسری کتاب

## خواص یا لیڈروں کے خصوصیات

### باب اول

عوام الناس میں ہر فرد اپنے ماحول کا فرزند ہوتا ہے، لیکن ہر ملک و قوم میں بعض سببیاں ایسی بھی پائی جاتی ہیں۔ جو اپنے گرد و پیش کے اثر کو قبول کرنے کے بجائے ان سے آمادہ جنگ ہوتی ہیں! اسلئے ہم خواص و عوام میں مابین الامتیاز خصوصیت یہ پیدا کر سکتے ہیں کہ جس طرح طبقہ عوام کی ہر فرد کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اپنی قوم و ملت کا ایک زندہ نمونہ "ہونا چاہئے۔ اسی طرح اول الذکر صنف کو لئے یہ لازمی ہے، کہ وہ ان موثرات سے آزاد ہو اور حقد ر کسی فرد میں یہ تعقیدی مادہ کم پایا جائیگا۔ اتنا ہی اپنے طبقہ میں اس کا مرتبہ بلند تر ہونا چاہیگا!

چنانچہ ان افراد کی ذہنیت کا نمایاں وصف بجائے "تقلید" کے "اجتہاد" ہوتا ہے یعنی وہ اپنی قوم و ملت کی ہر شے کو انفرادی نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں!

پھر یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ دماغی اور جسمانی دونوں اعتبار سے یہ لوگ عوام سے بہتر ہوں۔ بلکہ عوام ان کا نمایاں کیرکٹر ان کی زبردست قوت ارادی ہوتی ہو (بستہ دیگر حیثیتوں میں بھی یہ لوگ عوام سے ممتاز ہو سکتے ہیں۔ مگر بسا اوقات

یہ کیفیت فطرت کی طرف سے ان کے حصہ میں آتی ہو، یعنی ایک جنین کی  
تحریف یہ ہو، کہ بجائے کتابی علم کے اکتاب کے وہ فطرت کا شاگرد ہو۔ اور  
اسکی خاص قسم کی ذہنیت کو کتاب کائنات کا مطالعہ روشن کر دے!  
پھر طبقہ خواص کے بھی اقسام ہیں: مثلاً - فلاسفہ، بائبائین، مذہب اور پرنسپل  
لیڈر وغیرہ۔ جن میں اول الذکر طبقہ کا مقام اصنافِ خواص میں نہایت بلند ہے  
ان افراد کے خصائص ان کی از حد زیادہ خیالی اور سبباً انتہا رخصت ذہنی ہے! یہ  
لوگ ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے استغراق میں مشغول رہتے ہیں۔ جن کی دماغی پیداوار  
اکثر ناقابلِ عمل اور بسا اوقات خیالی تک بندہ یوں تک پہنچ جاتی ہے۔ مگر یہی وہ خیالی  
فضا ہے جو قوم کو ملک کی ذہنیت کو پرواز کی راہ بتاتی ہے۔ اور دنیاؤں میں ایک  
رفعت، ایک اولوالعزمی پیدا کرتی رہتی ہے! یہ لوگ درجہ اول کے خواص یا لیڈر  
کہلاتے ہیں۔ اسلئے کہ جبکہ بیان ہو چکا، یہی وہ لوگ ہیں جو اقوام کو ذہنی ریاست  
کاسب دیتے ہیں۔ اور ان کا فکر "زمان و مکان کی قید سے بڑی حد تک آزاد ہوتا  
ہے۔ اسلئے یہی وہ ہستیاں ہیں۔ جن کی آواز تمام دنیا کی آواز ہو تی ہے۔ اور اس طرح  
یہ ہستیاں دنیا کے تمام اقوام و ممالک کو متحد کر جاتی ہیں، یہی افراد زندہ جاوید کے  
جاننے کے حقیقی طور پر مستحق ہیں۔ اور انہیں کسی خاص ملک و قوم سے منسوب کر دینا غلطی  
ہے!

کافور  
یہی گروہ اپنی زندگی میں اپنی قوم و ملک سے کافر کا لقب پاتا ہے۔ مگر ظاہر ہے  
کہ ہر قوم کا ہزار ج عقلمندی با تکرار ہے۔ اسلئے جب دنیا ارتقاء کی اس منزل پر پہنچتی ہے۔  
جہاں انکی آواز گونج رہی ہوتی ہے۔ تو ان کی یہی بدنامی زمانہیں ترک نامی کا تالاب  
اختیار کرتی ہے، "درمختار کا دنیا یہ دیکھ لیتی ہے کہ ہر قوم و ملک کو اس قسم کے

مکافروں کی کمر بستہ احتیاج ہے! اسلئے کہ دراصل انہی کافروں کے وجود سے ارتقا ر قومی کا وجود ہے، اسلئے جو قوم اس قسم کے کافر جس قدر زیادہ پیدا کرے وہ جتنی زیادہ ترقی پزیر ہوتی ہے۔

**بانیانِ مڈا سب -**

لیڈر یا خواص کی دوسری صنف میں "بانیانِ مڈا سب" آتے ہیں۔ ان افراد کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کی غلط اعمالی سے متاثر نہ ہوں بلکہ ایک جادہ عمل بنادیں، جن کا اس تمام تر ہنگامی قومی اور ملکی اثرات پر ہوتا ہے! غلطی سے بچنے کے کوئی سوسائٹی بیضر ایک مذہب یا دماغی تنظیم کے زندہ نہیں رہ سکتی! اسلئے اس طبقہ رہنمایان کا نام سب سے زیادہ روشن اور پیش پیش رہنا ہے۔ پھر اس طبقہ کے کبھی بھی دماغ میں جو ان افراد کے ذاتی خلوص، ایثار اور قوتِ ارادی کے بغیر ہوتا ہے، جاسکتے ہیں مگر ان میں سے وہ تمام افراد جنہوں نے اپنے دود میں کوئی انقلاب برپا کر دیا کسی حد تک ان خصوصیات کے مالک ضرور ہوتے ہیں۔ البتہ اگر ہم مصطفیٰ حنیف سے ان کی تحدید کرنا چاہیں تو حسب ذیل طریقہ پر ہو سکتی ہے :-

(۱) وہ مذہبی پیشوا جو محض دنیا کی خدمت کرتے ہیں۔ اور اپنے لئے کسی قسم کا معاوضہ طلب نہیں کرتے۔ اور ان کا لیڈر م خواہ اصولی حیثیت سے قابلِ بحث ہو، مگر وہ کسی قسم کے توہمات کا پاسبان نہیں ہوتا۔ جس کی شاندار مثال میں گوتم بدھ کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ اسلئے کہ اسکی تبلیغ کسی جی یا مجبور کی رہنمائی نہیں ہے۔ اور یہ اعلیٰ درجہ کی پیشوائی ہے!

(۲) وہ قائدین جو اگرچہ دنیا کے لئے مفاد بخش ہو سکتے ہیں، مگر کسی قابلِ اُن کی تبلیغ ذہنی ارتقا کی راہ میں رکاوٹ بھی ہوتی ہے۔ اور اس میں ان کے نفسانی خواہشات (جاء و منزلت) بھی شریک ہوتے ہیں۔ یہ مبلغین کی دوسری



صنف ہے! لیکن تبلیغ کی ایک قسم یہ بھی ہے۔ جس کا مقصد محض اپنی شخصیت اور اپنا اقتدار قائم کرنا ہوتا ہے۔ اور اس زمرہ کے فائدین میں صحیح طور پر مرزا غلام احمد قادیانی کی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ جو اپنی شخصیت بھی پیدا کر لئے۔ اور دنیا میں کچھ تو ہمت بڑھائے!

سیاسی لیڈر۔

پیران کے بعد تیسری صنف پولیٹیکل لیڈروں کی آتی ہے، جو اگرچہ طبقہ خاص میں تمام طور پر تسلیم ورجہ رکھتے ہیں۔ مگر ان میں سے بعض افراد اپنے دماغی اور شخصی اعتبار پر طبقہ دوم کی صنف میں پہنچ جاتے ہیں۔ مثلاً ہمارے زمانہ میں مہاتما گاندھی! لیکن ان فائزین کو ہر حالت میں اپنے موجودہ زمانہ اور موجودہ زندگی سے واسطہ رہتا ہے۔ اور یہ صحیح محضوں میں ملک و قوم کے ہنگامی ضروریات کے ترجمان اور رد و قوی کی آواز ہوتے ہیں!

ادبار و مشعرا۔

لیکن فائدین کی ایک چوتھی صنف بھی آتی ہے جس میں ادبار و مشعرا وغیرہ شامل ہیں۔ یہ لوگ عام طور پر نہایت معمولی ذہنیت کے ہوتے ہیں۔ اور صحیح محضوں میں اپنی قوم کے موجودہ نفسیات کے پر تو اور اسکی آواز ہوتے ہیں۔ اسلئے اگر وہ زندہ قوم کے وارث ہوں، تو ان کا لٹریچر بھی زندہ اور کارآمد ہوتا ہے۔ ورنہ بے مقصد جذبات کی رو میں بہ جاتے ہیں..... جو دور حاضر کی حالت ہے!

البتہ اس طبقہ میں بھی بعض افراد جداگانہ قسم کی نہوج لاتے ہیں! مثلاً فلسفیانہ سیاسی اور معاشرتی وغیرہ۔ لیکن اس رُوح کو لٹریچر سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک علیحدہ شعبہ ہے۔ مثال کے طور پر اگر نالبا کے کلام میں

فلسفہ ہوتا ہے لہٰذا وہ شاعر بھی ہے اور فنی بھی! بعینہ اقبال شاعر بھی ہیں اور فنی ایسے بھی  
یعنی ان چیزوں کو براہ راست لٹریچر سے تعلق نہیں ہے (جیسا کہ بیان ہو چکا) اور جس  
شاعر یا ادیب میں یہ خصوصیت پائی جائے وہ محض شاعر یا ادیب نہیں ہے بلکہ  
اس طبقہ سے بلند تر ہستی ہے!

بہر حال یہ خواص یا رہنما اگرچہ ہر قوم و ملت میں نوراد کے لحاظ سے بہت سے  
ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر قوم میں ان کی اصلی تعداد انہیوں پر گننے کی ہوتی ہے۔  
مگر وہ چند قائدین جو صحیح معنوں میں اس معیار پر پورے اتریں۔ اپنے زمانہ کی شب و ناز  
کی روشنی ہوتے ہیں۔ اور اپنے تمدن کا حقیقی سرمایہ!  
قوم ان کی نگاہ میں ایک بچہ ہوتی ہے۔ اور وہ اُسے ہنستا دیکھ کر خوش ہوتے  
ہیں۔ اور دُعا دیکھ کر منعم ہوتے۔  
باز بچہ اطفال ہے دنیا مرے آگے

ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

(غالب)

جیسا کہ بیان ہو چکا، زبردست قوتِ ارادی ان کی روح اور آثار ان کا جو ہر ہوتا  
ہے، وہ ہمیشہ اس عظیم الشان کام کا بیڑا اٹھاتے ہیں۔ جس کا نام ”الغلاب“ ہے!  
گویا انقلابِ زمانہ ان لوگوں کا کھیل ہوتا ہے۔ اور ان کے دماغ کی ادنیٰ کرشمہ سازی  
اگرچہ زمانہ ان کی کادشوں کی داد ہمیشہ ظلم و ستم سے دیتا ہے، مگر وہ بجائے  
اس برے برتاؤ کا بدلہ لینے کے، ہمیشہ لطف کے ساتھ ان کا سامنا کرتے ہیں!  
اور قوم ”کو برا بر جادو ارتقا“ پر قدمزن کرتے رہتے ہیں۔  
یہاں تک کہ آخر کار زمانہ یہ دیکھ لیتا ہے۔ کہ یہی وہ باغی ہیں۔ جو آئندہ ترقی کی

دریانی کڑیاں ہیں، اور انہی کافروں کے دم سے ایمان کی سلامتی ہے۔ حقیقتاً  
ایمان ان ہی کافروں کے سایہ میں پرورش پاتا ہے!  
یہی وہ شمشادہ ہیں جو فقیروں کے بھیس میں صدا لگا جاتے ہیں۔ جو ایک  
عرصہ تک فضا میں گونجتی رہتی ہے اور عموماً ان کے دورِ اقامت میں کوئی ان کی  
آواز کی طرف توجہ نہیں کرتا! مگر جب ان کا کوچ ہو جاتا ہے۔ تو یہی صدا دوسروں  
کی روحوں میں جذب ہو جاتی ہے۔ اور اس وقت دنیا فضول ان کی تلاش میں نکلتی  
ہے!

## باب دوم شخصیت

دوسروں کی توجہ کو جو شے اپنی جانب کھینچ لیتی ہے۔ وہ محض الفاظ نہیں ہوتے  
بلکہ روح ہوتی ہے۔ یا جسے زیادہ واضح طور پر یہ کہنا چاہئے کہ وہ محض زبردست  
خطبے یا دقیق الفہم کتابیں نہیں ہوتیں۔ بلکہ اعلیٰ شخصیتیں ہوتی ہیں! چنانچہ ہمیشہ ان  
کتا بوں اور خطبوں کی قدر و قیمت کا اندازہ بھی ان کے مصنفین کی شخصیتوں سے  
لگایا جاتا ہے! بات یہ ہے کہ جب انسان بعض خیالات کو اپنے ذہن میں خوب بچا  
لیتا ہے، تو وہ اپنی اس روح اور اس تفکر نے اس میں پیدا کر دی ہے (کو دوسروں  
کے فالسپ میں بھی ڈال دیتے) پر تدارک ہر جاتا ہے، اور یہی خصوصیت ہر اس لیسٹر  
کی ملک ہوتی ہے جس نے دنیا میں صحیح معنوں میں کوئی انقلاب برپا کیا ہے  
مثلاً محمد کوتم۔ نیکو اور عیسائی وغیرہ، جو گویا اپنی خاص قسم کی مستقل اور جدا گانہ دنیا  
رکھتے تھے، جن کی طاقتیں ساری قوم کی مجموعی روح سے بھی زیادہ زبردست تعلیم  
یہی وجہ تھی کہ ان سسرانے اپنی قوموں کی روحوں کو اپنی روح ہو کامیکر بدل دیا!

## باب سوم

### مردہ شخصیتیں - ہندوستان میں قبریں حکومت کے بری ہیں!

گذشتہ بیانات زندہ شخصیتوں کے متعلق تھے، لیکن ہر قوم میں بعض مردہ شخصیتوں کا بھی کم بیش غلط اثر ہوتا ہے! اور جب کسی قوم کی روح مردہ ہو جاتی ہے تو اس وقت ان مردہ شخصیتوں کی طاقت کو استحکام حاصل ہو جاتا ہے۔ ان مردہ شخصیتوں میں اگرچہ قومی رسوم و روایات وغیرہ بھی آتے ہیں، مگر ان کی مثال میں ہمارے زمانہ میں خاص طور پر "تہذیب" کو پیش کیا جاسکتا ہے، جو صحیح معنوں میں آج ہمارے دلکب پر حکومت کر رہی ہیں! اور جو اودام پرستی اور ادبار قومی کی آخری حد ہے!

اگرچہ یہ عظیم بھی ہمیں مذہب سے ملتا ہے، اسلئے کہ موجودہ مردہ مذہب میں شریک ہو کر انسان کی عقل و شعور محدود ہو جاتی ہے۔ اور ذہنوں پر "تہذیبات" کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بعض ایسے افراد جو خود کو مذہبی ارکان ثابت کرتے ہیں۔ اور اپنی چالاکیاں یا پاکبازیوں سے دلوں کو مسح کر لیتے ہیں، جن کے پس منظر

اسلئے کہ ان افراد میں بھی وہ نور طرح کے لوگ ہوتے ہیں بعض تو صحیح معنوں میں "فکر" اختیار کر لیتے ہیں۔ اور جن کا دنیا والوں سے کوئی خود غرضی کا تعلق نہیں ہوتا۔ اور اگر تبلیغ کے معاملہ میں شخصیت کوئی شے ہے، تو یقیناً یہ لوگ "تہذیب" ہی میں اپنی شخصیت سے کام لے کر عوام الناس کی حالت درست کرتے ہیں جن کا عقلی حیثیت سے خواہ کوئی نہ تمام ہو، مگر مذہبی حیثیت سے وہ یقیناً قابلِ داد ہیں، مگر ان درویشوں کی کثیر تعداد تو محض رنگا بٹو لباس پہن کر

رسمی طبع پر دہی عقیدت عوام کو ان کی قبروں کے ساتھ ہو جاتی ہے — اور پیری  
مُردی کی رسم اس عقیدت کو مستحکم کر دیتی ہے، دراصل لیکہ اس عقیدت کے جراثیم بھی  
دہی میں جو بہت پرستی کے کام آتے ہیں۔ اور جو آواز لندن کی انسانی ذہنیت کا بچا  
کھینچا اثر ہے! جو ابھی تک دماغوں میں عملِ نوارث کے ذریعہ چلا آتا ہے! مگر افسوس!۔  
اس طرح ”خود اعتمادی“ کا جذبہ وہ قوم کھوٹھیتی ہے جس کی یہ ذہنیت ہو جائے!

**اقتصادی نقصان**

اگر اس قبر پرستی کا نقصان صرف دماغ ہی تک محدود ہوتا۔ تو وہ بھی نہایت  
اہمیت رکھتا تھا۔ مگر غضب تو یہ ہے کہ اس کے پردہ میں ایک عظیم الشان اقتصادی  
نقصان بھی قوم کو اٹھانا پڑتا ہے، اور وہ کثیر رقم جو واردں پر چڑھا دی جاتی ہے،  
اد جس کی مقدار ہر سال ملک میں کروڑوں سے بچا دیا جاتا ہے، اگرچہ قوم ہی میں رہتی  
ہے۔ یعنی مجاوروں اور سجادہ نشینوں کے پیٹ میں جاتی ہے مگر اس کا جائز مصرف  
فوت ہو جاتا ہے، اور اس طرح ان سجادہ نشینوں کی جن کی تعریف خاتم ہیں کرتا ہے  
در کسوت خاص آمدہ از علی چند بد نام کنندہ نکو نامے چند!

ہمت عصیاں اور بڑھا دی جاتی ہے! جب ان بوالمیوں کا پیٹ اس رقم سے  
بھی نہیں بھرتا ہے، تو وہ طرح طرح کی دوسری مدیں آمدنی کی کھول دیتے ہیں!

(بقیہ صفحہ ۵۷) شمس تیرہ بیٹنے کی آرزو کرتی ہے، یہ زمرہ دنیا والوں کی خاطر دعائیں غیر  
کبی کرتا ہے۔ جن باتوں کا مقصد بجز دہ پرستی کے اور کچھ نہیں! اور اگرچہ یہ ثانی الذکر افراد  
ملک کیلئے انتہائی خطرناک بھی ہیں۔ مگر میں تو یہ کہوں گا کہ دونوں قسم کے گروہ لندن ہندو  
نقص کی دلیل ہیں۔ جو کسی کامل لندن میں نشوونما نہیں پاسکتے سلسلہ اس طرح ملک کے جذبہ خود اعتمادی  
کو ٹھیس لگتی ہے! — ان درویشوں میں کثیر تعداد سیاسی اشخاص کی گندی ہے!

یعنی یہ شام نہ بھیس میں ڈاکو، غریب ذہنیت والوں سے نذرانے لیتے ہیں۔ اور درپے کو یہاں بھی قرار نہیں — اسلئے وہ دعا کی بھی ایک دفعہ وضع کر لیتے ہیں لگویا دعا کی تجارت کرتے ہیں! جس قانون کے تحت ہیں وہ دنیا والوں کے مقاصد کی خاطر اپنے لمبے لمبے ہاتھ دعاؤں کے لئے اٹھاتے ہیں۔ جن ہاتھوں میں دپیہ برسنے لگتا ہے!

کاش! یہ کثیر رقم جو ان پر فربہ اشخاص کے تعیش کا سامان بنتی ہے۔ اس سے کوئی مفید کام انجام دیا جانا اور ملک میں بعض صنعت و حرفت کے مدد سے کھلے جاتے، جن کے ذریعہ سے غریبوں کو مفت تعلیم دی جاتی اور اس طرح قوم کے او بار میں کچھ کمی ہوتی!

لیکن ہمیں جملہ مخزنہ کے طور پر یہ کہنا بھی ضروری ہے کہ ان مالی نقصانات اور ان ادنام کی اشاعت کی ذمہ داری محض قبر پرستی تک محدود نہیں، بلکہ شیخیوں نے بھی ”تعر یہ پرستی“ کی بنا ڈال کر (جو اس کے جواب میں ہے) اس بد تعبیر میں کافی اضافہ کر دیا ہے، بلکہ اس کو کچھ زیادہ اُنہوں نے تو ان ادنام میں گریہ فریاری کا بھی اضافہ کر لیا ہے، جو مستقل حیثیت سے قوم کی شجاعت اور قوتِ عمل کو زائل کرتی رہتی ہے۔ اور اگرچہ بعض موقعوں پر اس قسم کا پروپیگنڈا منطوم قوموں کی شمشیر نمیزی رہا ہے۔ مگر وقت نکل جانے کے بعد اس کا قیام بسا اوقات اپنے ہی لئے مصرفتِ رسال ثابت ہوا ہے!

## باب چہارم مولوی اور نیڈٹ وغیرہ

افسوس ہم اپنے مقصد سے کافی آگے بڑھ گئے۔ ابھی تو انڈیہ ہی قارئین کی ایک

شاذ اور صنف ہمارے بیان سے رہ گئی ہے! جسے چوتھی صنف کہنا چاہئے۔ اور اس صنف کے اندر کون لوگ آتے ہیں؟ علمائے دین، مولوی اور پنڈت وغیرہ! دراصل یہی وہ قائدین ہوتے ہیں، جن کا فریب انکی رفتار، گفتار، صورت اور لباس سے نمایاں ہوتا ہے! یہ لوگ بجائے اختراع و ایجاد کی صلاحیت رکھنے کے تقلید کے پتے ہوتے ہیں، اور ان کی تقلید بھی بالکل کورانہ ہوتی ہے، جو انہیں وقت اور ضرورت کے تشبیب و فراز کا احساس نہیں ہونے دیتی!

یہ لوگ کسی قسم کے اعلیٰ اخلاق نہیں رکھتے، بلکہ قوم کو ہمیشہ بے سیدہ اور ناقابل عمل جادہ اخلاق پر مانگنا چاہتے ہیں۔ محض اس لئے کہ اس طرح ان کی نگاہ پر کاسمان تہیا ہوتا ہے!

اور حقیقت یہی وہ گردہ ہے، جس کے ماتھے سے قوم کے روشن خیال ادرپٹے رہنماؤں کو ہزارانہ میں طرح طرح کے صدے پہنچتے رہتے ہیں!

# افکار و تجارب

نوٹ :- میرے روشن خیال ناظرین جنہیں میرے مذہب عقلیت نے کچھ اپیل کیا ہے۔ ان کی ضیافت طبع کیلئے میں اپنے بعض مقررہ جات بھی پیش کرتا ہوں :-

(۱) ایک ذی شعور انسان محقق سکاو فی فکر، ایک غیر ذی شعور انسان (مذہبی آدمی) کی زندگی بھر کی عبادت سے افضل ہے۔

(۲) مذاہب کے مختلف اصناف میں بعض مذاہب تو اپنے مولد ہی میں زندگی کے دن اور رات کے کر لیتے ہیں۔ جو گویا "پیدائشی مردے" ہیں لیکن بعض مذاہب مراض متخریجہ میں سے ہیں، جو پھیلنے کی بہت صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور آہستہ آہستہ تمام ایک مانہ کیلئے چھا جاتے ہیں !

(۳) دنیا میں شناسائی کے ساتھ میری ایسی بھی بڑھتی جاتی ہے، اور اب "کیرکس" مجھے ایک لفظ بے معنی نظر آتا ہے ! میں کچھ رہا ہوں کہ ہر شخص کی ایک قیمت ہے اسی اس قیمت پر جب چاہو خرید لو !

(۴) مجھے بہ نسبت ذی شعور اشخاص کے بچوں سے زائد دلچسپی ہوتی ہے۔ اسلئے کہ اول الذکر صنف میں ہم مذاق کی تلاش بہت مشکل ہے۔ اور ثانی الذکر صنف کو مذاق سے تعلق ہی نہیں — ان میں سب ہی ایک مستقل اور خاص قسم کا لطف رکھتے ہیں !

(۵) اگر کسی قوم کی ذہنی اور علمی حیثیت کا اندازہ لگانا ہو تو اس کے رسوم پر نظر کرو !



(۶) ہندوستان میں ایک لپٹ تودو پیہ کماتی اور جمع کرتی ہے۔ دوسری پشت اُسے اپنے صحیح مصرف میں لاتی ہے۔ لیکن تیسری پشت اُسے اڑا دیتی ہے۔ یہ ہی ہمارے ملک کی اقتصادی تاریخ!

(۷) رہبانیت کے بھالی میں اس سے بڑی اور کونسی دلیل ہو سکتی ہے کہ دنیا حق پرانی ہوتی جاتی ہے، روزمرہ انسانی آبادی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ ایک روز تمام صحرا بھی آباد نظر آئیں گے!

(۸) کوئی مذہب خواہ اچھا ہو یا بُرا۔ لیکن قومیت ہمیشہ اُسے اپنے رنگ میں رنگ لیتی ہے، اسلئے نیک و بد مذہب کے نتائج قومیت سے بہت کم اہمیت رکھتی ہیں!

(۹) رہنمایانِ عالم کی مثال مرغابِ چین کی سی ہے کہ وہ اپنی اپنی بولیاں بول کر اُڑ جاتے ہیں، اور دُنیا ہمیشہ اُن کے موازنہ میں لڑتی جھگڑتی رہتی ہے!

(۱۰) دوسروں کے ساتھ احسان کرنا اچھا ہے، لیکن اُن سے اس کے بدلے کی توقع رکھنا نادانی!

(۱۱) غیروں کے مقابلہ میں عموماً اور زیادہ مضرت رساں ثابت ہوتے ہیں، اسلئے کہ زندگی ایک دوامی شکش (جہد لبثاً) کا نام ہے۔ اور عداوت کے ساتھ وہ رشتہ قریب نہ ہوتا ہے!

(۱۲) جیسے تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ دنیا پر رحم یا ہمدردی حکومت نہیں کرتی۔ بلکہ طاقت کی حکمرانی ہوتی ہے!

(۱۳) اپنے نفس پر حکومت کرنا سیکھو۔ پھر دوسرے خود تمہارے حکومت بن جائیں گے!

(۱۴) صاحبِ کمال کے زوال کا آغاز اپنے کمال سے لذت مند ہونے لگنا ہے

(۱۵) وہ شخص قابلِ تاسف ہے جو حالتِ ناکامی میں غفلت کرے، لیکن وہ شخص

سخت خطرناک ہے۔ جو اپنی ناکامیوں کا الزام دوسروں کے سر لگا دے !  
 (۱۶) دنیا میں کوئی خیال اور کوئی طرزِ ادا جدید یا نادر نہیں ہے۔ البتہ پُرِ خلوص اور  
 صداقت آمیز ذل سے اس کا اخراج اُسے نیا بنادیتا ہے !  
 (۱۷) کردار کے معاملہ میں بجائے دنیا سے خراجِ تحسین کی خواہش رکھنے کے انسان  
 کو حسنِ عمل کی زیادہ پروا کرنی چاہئے۔ اسلئے کہ ممکن ہے زمانہ کا مذاق ہی خراب  
 ہو۔ اور اسلئے استثنائِ تحسین اُسے گمراہی کی طرف متوجہ کر دے !  
 (۱۸) اس میں شک نہیں کہ کسی کی عزت اور شہرت کو محض بدفہمی یا حسد سے صدمہ  
 پہنچانا ایک شدید جرم ہے۔ مگر علمی حیثیت سے نیک نیتی کے ساتھ دوسروں  
 کے عیب بظاہر کرنے کا بھی ہمیں اتنا ہی حق ہے جسطرح کہ دوسروں کی نیکیوں کے  
 اظہار کا؛ ورنہ اس طرح تو ہماری تنگ نظری علمِ تاریخ کو بھی ایک گناہِ عظیم قرار  
 دے گی !

(حقوقِ محفوظ)

## فہرست مضامین

- ۱۔ کیف الہامی ... .. ۹
- ۲۔ تہذیب ... .. ۱۱
- ۳۔ مقدمہ ... .. ۱۲
- ۴۔ پہلی کتاب - باب اول ... .. ۱
- (۱) عوام الناس کی ذہنیت (۲) عوام الناس کے قیام عقلی (۳) عوام الناس کے افعال و اعمال (۴) افعال عوام اور افعال حیوانات -
- باب دوم (پہلی فصل) مذہب کے نفسیاتی اجزاء ... ۴
- (دوسری فصل) مذہب کی عقلیت ... ۱۰
- (تیسری فصل) پارید مذہب کی ساخت ... ۱۳
- (چوتھی فصل) معجزہ ... ۱۶
- (پانچویں فصل) مذہب میں سیاسی اجزاء ... ۲۱
- چھٹی فصل آسمانی مذہب ذہن کے فطری ارتقا میں ایک کاوش ہے ۲۳
- (۱) ابطال تناسخ (۲) مسئلہ رحم (۳) مسئلہ حلال و حرام (۴) مناجات (۵) عبادت
- ساتویں فصل (گناہ ... .. ۳۱
- (۱) جبر و اختیار (۲) کیا مسئلہ جبر کیلئے کسی آسمانی طاقت (۳) کا مانتا ضروری ہے؟ (۴) گناہ و ثواب (۵) دین میں خوب رشت کا وجود نہیں -
- آٹھویں فصل (عقلی حیثیت سے پیشہ ایمان دینی کا مقام ... ۳۴
- (نویں فصل) ذہنیت گرد و پیش کا اثر کیونکر قبول کرتی ہے؟ ... ۳۵

- (دسویں فصل) بدھ مت پر نقد و تقریر ... ۳۸
- (گیارہویں فصل) کیا بغیر مذہب کے کوئی نظام معاشرت برقرار نہیں رہ سکتا؟ ... ۴۶
- ۵۔ دوسری کتاب - خواص یا لیڈروں کے خصوصیات ... ۴۹
- (باب اول) (۱) کانفر (۲) بائیان ہند (۳) سیاسی لیڈر (۴) ادب اور شعراء
- (باب دوم) شخصیت ... ۵۴
- (باب سوم) مروجہ شخصیتیں ... ۵۵
- (۱) ہندوستان میں قبریں حکومت کر رہی ہیں - (۲) اقتصاد دی نقصان -
- (یاب چہارم) مولوی اور تہذیب و غیرہ ... ۵۷
- ۶۔ افکار و تجارب ... ۵۹

طباعت کتاب کے بعد چند جملے

# تجدیدِ عمل تیسری کتاب

## قومیات کا ایک جدید تحیل

تجدیدِ عمل کا یہ جزو دراصل اس کتاب کی اصلی روح ہے۔ جسے بعض ارباب کی بنا پر اس اشاعت میں شامل نہیں جاسکا؛ لیکن ناظرین کی توجہ کا اندازہ لگانے کے بعد یہ جزو بھی ایک مستقل اور مختصر کتاب کی صورت میں بہت جلد شائع کر دیا جائیگا!

قیمت ... .. ۶ ر

(نوٹ) اس اڈیشن میں کتابت کی بعض غلطیاں رہ گئی ہیں جنہیں اُمید ہے کہ ہمارے روشن خیال ناظرین ذرا سی توجہ سے کام لیکر خود سمجھ لیٹے۔ اسلئے غلط نامہ غیر دردی سمجھا جاتا ہے۔

(مصنف)



ع ١٤٥٢ ٢٩٤٥٢

This book was taken from the Library  
on the date last stamped. A fine of  
1 anna will be charged for each day  
the book is kept over time.

---

